٢١٠٦
خلافت محمدیہ

٢١٠٧
نکاح آریہ

٢١٠٨
محمدی ستی

٢١٠٩
فتح اسلام

مجلد ۱۳

خرید کرده وقف ...

(۳۶ و ۳۷ — ۳۸ و ۳۹ — ۲۹ و ۳۰ — ۲۹ و ۲۱)

خرید کرده و وقف ... شد

زمانه دولت صاحب جان بهادر ... محمد حسن ...

متولی ...

خان ... محمد ... حسن خان ...

قال اللہ تعالیٰ لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم

الحمد للہ

رسالہ

خلافت محمدیہ

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

جس میں مسئلہ خلافت خلفاء اور مسئلہ وراثت انبیاء (علیہم السلام) کو احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے مع جواب رسالہ "استخلاف" امروہوی

مصنفہ

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری مولوی فاضل

مصنف تفسیر ثنائی وغیرہ بفرمائش مصنف

۱۵ ماہ اپریل ۲۲ء مطابق ۱۷ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۰ھ
برقی پریس روز بازار امرتسر میں طبع ہوا
باہتمام منشی عبد العزیز

قیمت فی نسخہ
محل وصول دفتر اخبار اہل حدیث امرتسر

ہفتہ وار اخبار

اہلحدیث

یہ اخبار کیا ہے؟ مجمع البحرین ہے یعنی دین و دنیا کا مجموعہ ۲۲×۱۸ کے ۱۶ بڑے صفحوں پر ہفتہ وار ہر جمعہ کے دن امرتسر سے شائع ہوتا ہے جسمیں ملکی۔ مذہبی اخلاقی اور تاریخی مضامین چھپنے کے علاوہ متفرق سوال و جواب اور دینی فتوے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات وغیرہ درج ہوتے ہیں ایک دو صفحوں پر دنیا کی چیدہ چیدہ خبریں بھی درج ہوتی ہیں۔ غرض یہ اخبار توحید و سُنت کا حامی شرک و بدعت کا دشمن۔ مخالفین کے سامنے ڈھال کا کام دینے والا اور دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بتلانیوالا ہے قیمت سالانہ پانچ روپیہ (صہ) نمونہ کا پرچہ ۲ر کے ٹکٹ آنے پر بھیجا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ **منیجر اخبار اہلحدیث۔ امرتسر**۔ پنجاب

علمائے کرام کی رائیں

بابت رسالہ "خلافتِ محمدیہ"

جناب استاد الاساتذہ مولانا حافظ محمد عبد اللہ صاحب غازی پوری مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد میں نے جناب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل) سلمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ خلافت محمدیہ کو من اولہا الی اخرہا دیکھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مولانا ممدوح نے اس رسالہ کو بہت عمدہ طرز میں لکھا ہے اور جس موضوع پر لکھا ہے اسکا پورا حق ادا کیا ہے اور دعوے کو عمدہ عمدہ دلائل سے بخوبی ثابت کیا ہے اور بدنما آلائشوں (دشنام و ہتک آمیز پھلجھڑیوں) سے بالکل پاک رکھا ہے جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

جناب الشیخ مولانا محمد بن الشیخ حسین الانصاری المحدث الیمانی الاستاذ فی مدرسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ الحمد للہ الذی وفق من شاء وخلق الخلق کیفما اراد وشاء لا معقب لحکمہ ولا یحیط احد بعلمہ والصلوٰۃ والسلام علی سید الرسل والانبیاء محمد خیر خلق اللہ کلھم وعلی آلہ الخیرۃ واصحابہ البررۃ ما تعاقب اللیل والنہار وسالت الانہار وفاضت البحار وبعد فقد اطلعت علی الخلافۃ المحمدیۃ اعنی الرسالۃ الثنائیۃ تالیف انسان العین وعین الانسان حامل لواء المناظرۃ فی ھذا الزمان العلامۃ الفاضل والفہامۃ الکامل فوجدتہا کما قال القائل ؎

فھی کل شطر منہ شطر من المنی ٭ وفی کل لفظ منہ عقد من الدرر

اعنی مولانا ومحبنا وصدیقنا المولوی ثناء اللہ الاسد الضرغام فی نواحی فنجاب کثر اللہ من امثاله وبارك فيه وعليه وله فی اهله وماله وعياله فلقد افاد فی تاليفها ولجاد ولم يدع لجادل حجة ولا لمعاند لجة وعلى كل حال فهی رسالة جليلة وبالتحقيق كفيلة قد احتوت على ما لا يمكن ان ينكره الا من ذهب فهمه وعمى بصره فمن يهدیه من بعد الله واورد فيها من الادلة الصريحة والآيات الفصيحة والاحاديث الصحيحة مما تقر به النواظر وتطمئن اليه الخواطر فجزاه الله عن الاسلام والمسلمين الحسنى وزيادة وبلغنا واياه من خيرى الدارين

امين امين لا ارضى بواحدة ۔ حتى اضيف اليها الف امينا

واخر دعونا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه اجمعين ۔

جناب مکرم مولینا محمد عبد الحی صاحب حیدرآباد دکن بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ لاهله والصلوٰۃ على اهليها ۔ اس ناظورہ بدایہ یعنی رسالہ "خلافت محمدیہ" کو ہم نے بغور دیکھا بقصد تحریر کو سمجھ گیا۔ جناب مولانا و بالفضل اولینا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل، کی یہ بے نظیر تحریر اس خصوص میں انشاء اللہ نیا رنگ لائیگی خداوند عالم مولانا کی مساعی جمیلہ کو قبول فرماوے اور اس تحریر کے مقصد کو پورا کرے ۔ آمین ۔

جناب مولوی محمد فقیر اللہ صاحب پنجابی مقیم پیارم پیٹ (مدراس) بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً ومصلیاً ومسلماً اما بعد اینکہ رسالہ خلافت محمدیہ بالاستیعاب دیکھنے میں آیا ماشاء اللہ انکی مذاق و اسلوب اثبات خلافت مرتبہ عند اہل السنۃ والجماعۃ میں عجیب پسندیدہ ہر لبیب و ادیب ہے بیشک یہ رسالہ ہدایت مقالہ ہے وللہ در مصنفہا مصنفا ومنصفا هدى الله سبحانه وتعالى بها من انكر ترتيب الخلافة الحقة ولياقة اصحابها واهليتهم لها وهو يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ويسلكه مسلك الخلفاء الراشدين المهديين وسائر اصحاب النبى الكريم والله ذو الفضل العظيم ۔ **جناب مولوی قاضی عبد الاحد صاحب خانپوری مقیم راولپنڈی**

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين اما بعد پس یہ رسالہ اپنے باب میں نہایت عجیب ہے اور مؤلف اسکا اپنے بیان میں مصیب ہے اللہ عز وجل اسکو جزاء خیر دے وجعله من انصار دينه وكتابه ورسوله وعباده المؤمنين ۔

دفقہ لما یحبہ و یرضاہ دعافاہ فی الدارین جعل آخر تہ خیرامن اولاہ بالمعنیین آمین یا ارحم الراحمین والحمد للہ رب العلمین ○

جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی مرحوم مہتمم مدرسہ حسینیہ دہلی۔ خلافت انبیاء علیہم السلام کسی جاگیر یا مال کے منگوانے کا نام نہیں ہو بلکہ نہائت ابلیغ طور سے اشاعت اسلام اور دارکفر کو دار اسلام بنانے کا نام ہے جب یہ مسئلہ معلوم اور مسلم ہو چکا تو اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ ابوالاولیاء کی فتوحات اسلامیہ اور زمانہ خلافت کے حالات ہر شخص کے استحقاق خلافت کا بین ثبوت ہو سکتا ہے جسکو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے اپنے اسی مختصر رسالہ میں بہت ہی اچھی طرح ثابت کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دارین میں عطا فرماوے۔ آمین!

جناب مولوی محمد ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی۔ بسمہ سبحانہ۔ الحمد لاہلہ والصلوٰۃ علے اہلہا وبعد فاضل امرتسری کے مصنفات کا کیا کہنا، طرز تحریر نہائت دلکش اور انداز استدلال عجیب و غریب میں حیران ہوں کہ رسالہ "خلافت محمدیہ" کی تعریف کن الفاظ میں کروں، موضوع کو خوب نبا ہا ہے اور تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیا دیکھیں مخالفین اس پر کیا گہر افشانی فرماتے ہیں جزی اللہ المصنف خیر الجزاء۔

جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مقیم پیارم پیٹ مدارس۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وکفی وسلام علے عبادہ الذین اصطفٰے اما بعد فقد طالعت ہذہ الرسالۃ من اولہا الی آخرہا فوجدت مصنفہا قد تصدی لتحقیق مسئلۃ ہی من اہم المسائل الشرعیۃ اعنی الخلافۃ المحمدیۃ علے الترتیب المسلم عند اہل السنۃ والجماعۃ المتبعۃ للطریقۃ النبویۃ علے صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ فاجاد فی اثبات مدعاہ بحیث لا یدان لاحد من اہل التعصب والاعتساف ان یعارضہ وینقض مبناہ بل یجب علیہ ان یسلم الحق الذی ارتضاہ اللہ لمن اتبع ہداہ واختار لرضاہ علے ہواہ کما ورد فی اثر ما راٰہ المومنون حسنا فہو عند اللہ حسن فللہ درہ مولفا اکرم بہ عیبنا للحق فی ہذا الباب ومنصفا جزاہ اللہ خیرالجزاء فی دار الفناء والبقاء ووفقہ لما یحبہ و یرضاہ واللہ الموفق عندہ حسن الثواب والیہ المرجع والمآب ○

جناب مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی یہ کتاب خلافت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری کی تازہ تصنیف ہے۔ اس کی نسبت چار امر خاص طور پر قابل ذکر ہیں

اول طریق استدلال۔ فاضل مصنف نے اثبات خلافت میں ایسا طریق استدلال اختیار کیا ہے جو بالکل ہے اور اون کے فہم رسا کا خاص نتیجہ ہے۔ اسکا نباہنا آسان کام نہیں تھا۔ میری نظر میں یہ کتاب اس زمانہ میں اپنے طریق استدلال میں پہلی کتاب ہے اسلئے اگر اس میں کوئی مسامحت بھی پائی جائے تو تعجب نہیں۔ باوجود اسکے اصل مقصود میں کوئی خلل نہیں۔

دوم اثبات مدعا۔ اس میں مصنف علام نے یہ کمال دکھایا ہے کہ جو امر خود محل نزاع ہے اُسے معرض دلیل میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ہر دلیل کی بناء مقدمات عقلیہ۔ آیات قرآنیہ اور واقعات مسلمہ فریقین پر رکھی ہے۔

سوم طرز تحریر۔ نہایت ہی متین وسنجیدہ ہے اور حضرت مصنف ممدوح کا خاص حصہ ہے، فریق ثانی شروع سے اخیر تک کتاب پڑھ جائے مجال نہیں کہ اُسکے جذبات مخالفت میں اُبھریں یا طبیعت میں کسی طرح کی چڑ آئے۔

چہارم۔ خاتمہ کے قریب فریق مقابل (حضرات اہل تشیع) کی بعض معتبر کتب سے مسائل خلافت دوراثت انبیاء پر روشنی ڈالکر مذہب اہلسنت کو واضح کیا ہے جسمیں یہ دکھایا ہے کہ جب مقدمات مسلم ہیں تو نتیجہ میں کیوں اختلاف رہے

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی ∴ یہ اُوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

دعا۔ خدا کرے کہ ان امور اربعہ میں زمانہ کا مذاق ترقی کرے اور دیگر علماء بھی مقاصد علیہ کو علیٰ وجہ البصیرۃ مہذب پیرائے میں بیان کرنیکی روش اختیار کریں۔ تاکہ دماغوں میں روشنی اور قلوب میں صفائی اور وسعت پیدا ہو۔ اور اُمت مرحومہ میں منافرت و مخالفت کم ہوکر موافقت و یگانگت حاصل ہو۔ خدائے تعالیٰ مصنف علام کی سعی کو مشکور فرماوے اور لوگوں کو اون کے فیوض علیہ سے تادیر متمتع رکھے۔ آمین ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی النبی و آلہ

پہلے مجھے دیکھو

شیعہ سنی میں اختلاف یوں تو بہت سے مسائل میں ہے مگر اصل الاصول[1] اور اہم مسائل جنکا چرچا فریقین کی زبان پر ہی صرف دو ہیں یعنی خلافت خلفاء اور وراثت الانبیاء۔ بلکہ صرف ایک یعنی خلافت کیونکہ اگر خلافت حق ہے تو جو کچھ اُنہوں نے کہا اور کیا حق ہے۔ اسلئے ہم اس مختصر سے رسالہ میں انہی ایک دو مسئلوں پر کچھ عرض کرینگے ناظرین بغور ملاحظہ فرماویں۔

[1] شیعہ مجیب ہمارے اس دعوی پر اعتراض کرتا ہوا اپنے رسالہ استخلاف میں لکھتا ہے۔
"یہ کہنا غلط ہے کہ شیعہ سنی میں اصل الاصول مسئلہ خلافت ہے۔ بلکہ شیعہ سنی میں اصولی اختلاف ہے کیونکہ شیعہ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ اور قیامت کے قائل ہیں اور سنی صرف توحید۔ نبوت اور قیامت کو مانتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ شیعہ سنی میں اصل الاصول مسئلہ خلافت ہے۔" (استخلاف صا)

خلافت

فاضل مصنف نے جلدی میں ہمارا مدعا نہیں سمجھا۔ اس لئے ان کو اصول کے معنے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اصول کے معنے کئی ہیں۔ اصول دین۔ اصول کلام۔ اصول فقہ۔ اصول مناظرہ۔ اصول خلافیات۔ ان میں سے ہر ایک اصول کے معنے الگ ہیں۔ مثلاً توحید و نبوت وغیرہ اصول دین ہیں۔ کیونکہ ان کے ماننے کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عام۔ خاص کے مباحث اصول فقہ ہیں۔ طریق استدلال اصول کلام ہیں۔ ہماری مراد اصول خلافیات ہیں یعنی وہ مسائل جنپر شیعہ سنی کے مابین عموماً مباحثات رہتے ہیں اور جنکی وجہ سے ایک فریق دوسرے سے امتیازی طور سے الگ ہے وہ مسئلہ خلافت وغیرہ ہے جس کو آپ بھی اصول دین میں امامت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل وہی ہے جو سنیوں کے دو فرقوں مقلدین اور غیر مقلدین (اہلحدیث) کی ہے کہ ان میں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے لیکن اصل الاصول اختلاف مسئلہ تقلید ہے کیونکہ اس کے فیصلہ پر قریباً سب کا فیصلہ ہے"

شیعہ سنی کا اختلاف بہت پرانا ہے اسلئے اغلب ہو کہ فریقین کی طرف سے سینکڑوں نہیں ہزاروں تک کتابیں لکھی گئی ہونگی۔ پھر کسی نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی بلکہ یہ کہنا کافی تھا ع

حریفاں بادہا خوردند و رفتند

باوجود اسکے یہ چند اوراق ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں اسکی وجہ یہ پیش آئی کہ جسطرح سلف نے مذہب حق کی خدمت کر کے جو فرض ادا کیا وہ فرض ہم پر بھی ہو اسلئے ضروری ہے کہ ہم بھی اپنی حسب استعداد اُس خدمت کو ادا کر کے سبکدوشی حاصل کریں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بقول ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

ممکن ہو ہماری ان پریشان اوراق میں کوئی جدید بات بھی پائی جائے ع اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے ناظرین! اس مختصر سے رسالہ کو دیکھینگے تو غالباً اچھوتا پا کر خوش ہونگے۔ انشاء اللہ۔ آجکل کی تصنیف میں ایک بڑا عیب ہے کہ جبتک فریق ثانی پر چند دشنام اور ہتک آمیز ہجو لچھریاں نہ چلائی جائیں مصنف سمجھتا ہے کہ اس نے اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ اور اسکے بخیال بھی اوس مضمون کو لطیف اور مزیدار نہیں جانتے۔ گویا دہلی کی تلخ مرچیں کھلانے کی عموماً ہر فریق کو چاٹ ہے مگر ہم اسکو طریق سلف صالحین کے خلاف جانتے ہیں۔ اس لئے اپنی تحریرات کو اس بدنما آلائش سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ جو صاحب ہم سے اس بارے میں مختلف یا مخالف ہوں ہمارا جواب انکی خدمت میں یہ ہے ؎ تو وطوبیٰ و ما و قامتِ یار

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

اطلاع رسالہ ہذا کے طبع اول کے بعد شیعوں کی طرف سے اسکا جواب نکلا ہے جسکا نام ہے "استخلاف" جس پر مصنف کا نام مولوی سید نسیم حسن صاحب ساکن امروہہ لکھا ہے۔ اس لئے طبع ثانی میں ہر ہر مقام پر نمبر ہندسہ لگا کر حاشیہ میں جواب مع جواب الجواب مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ

خاکسار ابوالوفاء ثناء اللہ (مولوی فاضل)	طبع اول طبع دوم	امرتسر ۲۲ محرم ۱۳۳۹ھ - ۹ نومبر ۱۹۱۷ء جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ - فروری ۱۹۲۳ء

تمہید

شیعہ سنی میں باوجود تفریق شدید اور افتراق کثیر کے ایک بڑے حصے میں اتفاق بھی ہے جو ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کسی حصے میں بھی اتفاق نہ ہو تو دونوں مذہب ایک دین کی شاخیں نہ ہوں۔ حالانکہ دونوں مذہب (شیعہ و سنی) ایک دین (اسلام) کی شاخیں ہیں۔ وہ اتفاقی حصہ کیا ہے؟ قرآن شریف۔ قرآن مجید کی نسبت فریقین کا یقین اور ایمان ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اسکے الفاظ سب محفوظ ہیں[1] اسکے معانی مقصودہ الفاظ کے ماتحت ہیں۔ اسکے سوا حدیثی روایات میں بہت بڑا اختلاف ہے تاہم بعض روایات فریقین کی حدیثی کتابوں میں بالاتفاق ملتی ہیں۔ اس لئے وہ بھی قرآن مجید سے درجہ دوم پر فریقین میں مسلم اور حجت ہیں۔ فریقین کے بعض مصنفین جو بطور اثبات مدعا فریق ثانی کی روایات

---

[1] ہمارے اس دعوی پر کہ شیعہ سنی میں باوجود کثرت اختلافات کے قرآن مجید پر اتفاق ہے شیعہ مجیب نے صاف لکھا ہے کہ ہمارا اس پر بھی اتفاق نہیں چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"دونوں فرقوں (شیعہ سنی) میں کسی امر پر اتفاق نہیں کوئی اصول و فروع میں ایسا مسئلہ نہیں جس میں اختلاف نہ ہو پھر یہ دعوی کرنا کہ شیعہ قرآن کے الفاظ محفوظ سمجھتے ہیں یا احادیث میں اختلاف ہے ایک نئی بات ہے۔" (استخلاف ص۳)

خلافت ہم تو بشہادت شیعہ علماء لاہور وغیرہ یہی سمجھے تھے کہ شیعہ سنی قرآن مجید کی حفاظت پر متفق ہیں۔ لیکن امروہی شیعہ عالم نے جب اس میں بھی اختلاف کیا تو ہم اتنا کہنے سے باک نہیں کرتے کہ امروہہ کے علماء شیعہ بیشک قرآن مجید کو محفوظ نہیں جانتے تاہم غالباً اتنا تو مانتے ہونگے کہ قرآن مجید کے موجودہ مفردہ الفاظ واقعی الہامی اور حق ہیں۔ بس فیصلہ آسان ہے۔ ہم بھی موجودہ الفاظ ہی سے استدلال کرینگے۔

نقل کرنے پر کفایت کرتے ہیں ہم اون سے متفق نہیں۔ ہمارے نزدیک اثباتِ مدعا میں کوئی دلیل ایسی نہیں بیان ہو سکتی جو خود مدعی کے نزدیک قابل تسلیم نہ ہو بلکہ ایسی دلیل ہونی چاہیے جو متکلم (مدعی) کے نزدیک بھی شرعی حجت ہو تاکہ اون سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپنے جو دلیل بطور اثباتِ مدعا اپنے دعوے پر نقل کی ہے کیا آپکا ضمیر اس پر مطمئن ہے اور آپ اسکو مثبت مانتے ہیں؟ وہ جواب دے کہ "ہاں" تو وہ دلیل، دلیل ہے۔ ورنہ اگر وہ خود اس دلیل کو اپنے حق میں دلیل نہیں جانتا۔ تو ثبوتِ مدعا نہ ہو سکیگا۔ ہم نے اس رسالہ میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اس غلطی سے پاک ہے الحمد للہ[لہ]؎

لہ شیعہ مصنف ہماری تمہید پر اعتراض کرتا ہے کہ:-

"مولوی (ثناء اللہ) صاحب نے جو دلیلیں پیش کی ہیں اون کا استدلال بخاری استیعاب وغیرہ سے کیا ہے۔ شیعوں کی کتابیں دعوے کے ثبوت میں جو پیش کی ہیں وہ دو تین مقام پر۔ افسوس کہ مولوی صاحب کے قول و فعل میں اختلاف ہے۔" (صـ۲)

خلافت

فاضل مصنف کو دھوکا ہوا۔ ہمارا استدلال تو قرآن ہی سے ہے مگر قرآن مجید میں جن واقعات پر مدار رکھا گیا ہے وہ تو کتبِ تاریخ ہی سے ملینگے اسلئے کتب حدیث اور تاریخ کو پیش کیا گیا۔ ہاں یہ قصور ضرور ہے کہ سنیوں کی کتب سے واقعات نقل کئے ہیں سو اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ شیعوں کی کوئی کتاب متعلقہ تاریخ ہمیں نہیں ملی۔ چنانچہ اسی تلاش میں ہم نے امروہہ کے علماء شیعہ سے بھی دریافت کیا کہ آپکے ہاں شیعی طرز کی تاریخ اسلام میں کونسی کتاب ہے؟ جواب ملا کوئی خاص کتاب نہیں۔ پھر ہم واقعاتِ زمانہ نبوت کو کس کتاب سے دکھاویں؟ مہربانی کر کے فاضل مصنف ہی کسی کتاب کا ہم کو نام و نشان بتا دیں جس کی وقعت تاریخی حیثیت میں شیعوں کے ہاں اوسی قدر ہو جس قدر دنیائے اسلام میں سنی تواریخ کی ہے۔

مختصر یہ کہ ہمارا اصل استدلال قرآن سے ہے اور واقعات کتب حدیث اور تاریخ سے منقول ہیں ۱۲

ہمارا دعویٰ

خلافت خلفاء اربعہ نبوتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ اور وہ زمانہ پچھلے زمانوں سے زیادہ ہدائت یاب تھا۔ اس دعوے پر ہم عقلی اور نقلی دلیلیں رکھتے جو درج رسالہ ہذا ہیں:۔

دلیلِ اوّل

مشاہدہ اور عقل شہادت دیتے ہیں کہ چراغ یا لمپ کی روشنی گو دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہو۔ لیکن جُوں جُوں اوس کے قریب جائینگے۔ روشنی کو تیز پائینگے لمپ کے اردگرد والی روشنی ہر طرح اصل لمپ سے مشابہ ہوتی ہے۔ یا یُوں کہئے کہ جو کچھ لمپ میں ہوتا ہے وہی اوس کے اردگرد کی روشنی میں ہوتا ہے دُور کی روشنی میں اتنا نہیں ہوتا جس کی مثال کے لئے لمپ کی تصویر درج ذیل ہے:۔

ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ


تصویر لمپ
ابتداءِ روشنی
انتہاء روشنی

ہمارے بیان کی تصدیق کے لئے ہر شخص آزمائش کرسکتا ہے کہ لیمپ کی روشنی اوس کے قرب وجوار میں پوری ہوتی ہے۔ یا اوس سے دُور۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ ضروری اور لازمی ہے کہ لیمپ کے قرب میں روشنی پوری ہو۔ پھر جیسے جیسے دُور ہٹیں کم ہوتی جائے چنانچہ مذکورہ تصویر میں اسکا نقشہ نظر آسکتا ہے۔ نبوّت اور رسالت بھی مثل ایک روشن لیمپ کے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حق میں خود یہہ تشبیہ دیگئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (پ ۲۲ ع ۳)

اے نبی۔ ہم (خدا) نے تجھکو لوگوں کے حال پر گواہ کر کے خوشخبری دینے والا۔ ڈرانے والا۔ اللہ کے حکم کیساتھ اوس کی طرف بلانے والا۔ اور روشن چراغ بناکر بھیجا ہے“

خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کھلے لفظوں میں چراغ فرمایا ہے۔ اس لئے ہماری پیش کردہ مثال کی پوری تصدیق ہوتی ہے اس مثال کے بموجب ہمیں دیکھنا ہے کہ سراجِ نبوّت سے روشنی کسطرح پہونچی۔

اسلام کی تاریخ زندہ ہے جو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ۔ ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ اور یہ سارے واقعات عرصہ تیس سال میں ہوگئے۔ جو زمانہ نبوّت کے بالکل قریب ہے۔

بلحاظ مثال مذکور ہمیں کچھ ضرورت نہیں کہ اِس مدّت کے واقعات اور ان خلفاءؓ کے خصائل سے بحث کریں۔ کیونکہ مثال مذکور ہم کو بتاتی ہے۔ کہ قدرتی طور پر عہد نبوّت کے قریب کا زمانہ بلحاظ اوس ہدایت کے جو چشمۂ نبوت سے دنیا کو پہونچی تھی۔ پچھلے زمانوں سے صاف شفّاف اور زمانۂ نبوت کے مشابہ ہونا چاہیئے۔ پچھلا زمانہ نسبت پہلے کے کسی طرح روشن تر یا مثل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ لازمی طور پر کمی کی طرف تنزّل

کریگا۔ پس زمانہ خلافت خلفاء راشدین مشابہ ہے۔ زمانہ نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے۔

یہ ہے ہمارے دعوے کی فلسفی دلیل جو بفضلہ تعالیٰ ناقابل تردید ہے[1]۔

[1] شیعہ مجیب نے یہاں دو باتیں کہی ہیں ایک تو یہ کہ چراغ نبوت کی روشنی میں کمی بیشی نہیں قلوب کی ذاتی حالت پر موقوف ہے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ کے نزدیک ایک معمولی واعظ اور ذات ستودہ صفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعظ میں کوئی فرق نہیں۔ حاشاللہ۔ اے جناب جس طرح مفعول میں اختلاف استعداد کے باعث اثر فعل مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح علت کی قوت وضعف کے باعث بھی اثر فعل مختلف ہوتا ہے۔ اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں علاوہ تلاوت قرآن کے یزکی کا لفظ بھی سورہ جمعہ میں آیا ہے یعنی آپکی صحبت کا یہ اثر ہے کہ صحبتی پاک ہو جاتے ہیں مجیب کے سوا کون مسلمان ہے جو اس سے انکار کریگا کہ ایک آپکی صحبت اور ایک امام مہدی معہود کی ان دونوں میں کتنا بون بعید ہے۔ یہ آپکا اختیار ہے کہ ایسے بدیہی حکم سے بھی انکار کئے جاویں اصل بات کا جواب یوں دیتے ہیں۔

"ہم مولوی صاحب کی دلیل کو مانتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ کہ جسقدر آنحضرتؐ سے جسکو قرب حاصل ہے وہی اس سراج منیر سے زیادہ فائدہ مند اور وہی زیادہ منور ہوا۔ خلفاء اربعہ میں ہی دیکھنا چاہیئے کہ کون ایسا ہے جو ہر وقت رسولخدا کے ساتھ رہا اور کون جدا۔ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام جو ہمیشہ آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے انتہا یہ ہے کہ رسولؐ ہی نے بچپنے سے پرورش کیا۔" (صے)

خلافت فاضل مصنف نے ہمارا مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ ہم تو بطور دلیل انیٰ معلوم کر رہے ہیں جس میں معلول کے ثبوت سے علت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بعد انتقال آنحضرتؐ جو حالت اور کیفیت مسلمانوں کی وجود پذیر ہوئی ہے اس سے ہم استدلال کرتے ہیں کہ علت (وجود سلطانی) کا مقتضا اور معلول یہی تھا کیونکہ چراغ نبوت کے اردگرد جو کیفیت ہم پاتے ہیں یقیناً جانتے ہیں۔ کہ لمپ کا مقتضا و معلول یہی ہے

دوسری دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہماری پیش کردہ مثال کے مطابق یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پ ۱۸ ع ۱۳)

تم میں سے جن لوگوں نے ایمان لاکر نیک عمل کئے ہیں اللہ اُن سے وعدہ کرتے ہیں کہ اون کو ملک میں خلیفہ (حاکم) بنا دیگا۔ جیسا اون سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور جو دین اون کے لئے اوس نے پسند کیا ہے اوس کو محکم کر دیگا۔ اور اون کا خوف امن کے ساتھ بدل دیگا۔ پھر وہ میری (خدا کی) عبادت کرینگے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرینگے جو لوگ اس واقعہ (خلافت) کے بعد بھی ناشکری کرینگے وہی بدکار ہونگے۔"

اس آیت میں خدا نے طبقۂ اولیٰ کے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں تمکو خلافت دونگا۔ جیسی پہلے نبیوں کی اُمتوں کو دی تھی۔ تمہارا دین مضبوط کردونگا۔ تمہارا خوف امن سے بدل دونگا۔ بے خوف عبادت کروگے۔

بقیہ حاشیہ از صد ۱۲

دگر ہیچ۔ پس اگر وہ کیفیت یعنی خلافت خلفاء خصوصاً خلافت اولیٰ اگر غیر متدینہ تھی جیسا کہ آپکا خیال ہے تو چونکہ وہ وجود مصطفائی کی معلول ہے اس سے ثابت ہوگا کہ اوسکی علّت بھی غیر متدینہ ہے۔ وھو کما تری لم یقل بہ احد الامن سفہ نفسہ اس کا جواب شیعہ مجیب دیگے تو غور کیا جائیگا۔

آپنے جو قرب نسبی وغیرہ سمجھا وہ ہماری مراد نہ تھی۔ بلکہ وہ تعلیمی قرب اور معیت کذائی مراد ہے جو اتنی دلیل میں پیش ہو سکے۔ فافہم ۱۲ (مصنف)

آیت موصوفہ کی ترتیب ہی خداوند تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے کہ اوس کے سمجھتے ہی مسئلہ خلافت حل ہوجاتا ہے ناظرین ان مراتب پر غور کریں۔

(۱) دین کی کمزوری۔ دین کی کمزوری سے مقصود دین کے مسائل کی کمزوری نہیں بلکہ دینداروں کی کمزوری مراد ہے۔

(۲) خوفِ اعدار۔

اِن دونوں لفظوں کا ثبوت صرف ایک ہی واقعہ سے مل سکتا ہے جس کا نام **"ہجرت"** ہے۔

ہجرت اوس واقعہ کا نام ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی تکلیفات سے تنگ آکر اپنا پیارا وطن مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں جا کر اقامت کی اسکا نام ہجرت ہے۔ یہ کیوں کی؟ اسکا جواب صرف ایک ہے کہ سخت تکلیف سے بمقابلہ بے دینوں کے دینداروں کی کمزوری سے۔ اس ہجرت میں کون کون شریک تھے؟ اس سوال کا جواب ایک ہی ہے جو سب کے نزدیک صحیح ہے کہ مکہ کے مسلمان مع چاروں خلیفوں کے شریک تھے۔

ہجرت کی بابت قرآن مجید کے صرف ایک فقرہ پر غور کرنے سے سارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جو کفار مکہ کے ارادہ کا اظہار کرتا ہے۔ ارشاد ہے:-

يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (پ ۲۸ ع ۷)	کفار رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور خود تم مسلمانوں کو بھی نکالنے پر تُلے بیٹھے تھے۔ اِسلئے کہ تم اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے ایمان لائے تھے۔

کچھ شک نہیں کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو جسقدر تکلیف ہوئی انسانی برداشت کی حد سے متجاوز تھی۔ چنانچہ قرآن مجید نے اوس کا نقشہ اِن لفظوں میں دکھایا ہے:-

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (پ ۹ ع ۱۷)	اوس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد میں کم طاقت کے لحاظ سے دین میں کمزور تھے تمہیں خوف تھا کہ مخالف لوگ تمکو نگل جائینگے۔

پس ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے مخالفین کے ناقابل تحمل دباؤ کی وجہ سے وطن چھوڑ کر ہجرت کی وہی لوگ آئت زیر بحث کے مطابق خلافت کے حق دار ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا الحمد للہ۔

اس سے زیادہ توضیح کے ساتھ بھی یہ مسئلہ قرآن مجید نے حل کر دیا ہے۔ بشرط انصاف غور فرماویں :-

ابتدا میں مسلمانوں کو کفار کی طرف سے جو جو تکلیفات پہونچتی تھیں اون سے کسی کو انکار نہیں۔ کوئی ظلم کسی نوع کا ستم نہیں تھا جو کفار نے مسلمانوں سے اُٹھا رکھا ہو۔ اون کے ظلم کی جب انتہا ہوئی۔ تو ارشاد خداوندی پہونچا جو اس مسئلہ میں فیصلہ کن ہے پس ناظرین غور سے سنیں :-

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۨالَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ۔ (پ ۱۷ ع ۱۳)	ارشاد ہے جن لوگوں سے مخالف کفار لڑتے ہیں اون کو اذن دیا گیا ہے (کہ وہ بھی ہاتھ اٹھا دیں) اللہ تعالیٰ اونکی مدد کرنے پر قادر ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے مظالم کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔ انکا جرم صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اگر خدا بعض ظالموں کو بعض کے ساتھ دور نہ کرے تو درویشوں کی خانقاہیں گرجے یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں برباد ہوجاویں (جسکا زور پڑے وہ

دوسرے کو تباہ کردے) اور جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرینگے خدا اونکی مدد کریگا اللہ تعالیٰ بڑا غالب ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دینگے تو یہ لوگ نماز پڑھینگے۔ زکوٰۃ دینگے۔ نیک کاموں کا حکم دینگے۔ اور برے کاموں سے روکینگے اور سب کاموں کا انجام خدا کے اختیار میں ہے :-

اِن آیات مبارکہ میں چند امور قابل غور ہیں:۔

(۱) جن لوگوں کو جہاد کا اذن دیا گیا اون کے ایمان کی اور تکلیف کی شہادت ہے۔

(۲) اون کی مدد کا وعدہ

(۳) اون کو حکومت ملنے کا اشارہ۔

(۴) بعد حکومت اونکی دینداری اور نیک چلنی کی شہادۃ ہے۔

یہ چار باتیں ایسی ہیں کہ آئت موصوفہ سے صحیح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔ مزید توضیح کے لئے ان نمبروں کا ثبوت دینے کو ہم نے آیات مرقومہ کے لفظوں پر نمبر لگا دیئے ہیں۔ جو نمبر جس نمبر سے ثابت ہوتا ہے اوس کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ یہ آئت موصوفہ صاف بتلاتی ہے کہ مہاجرین کو خدا حکومت دیگا۔ اور وہ حکومت کے زمانہ میں ایسے کام کرینگے جو خدا کے پسندیدہ ہونگے۔ پھر پڑہیئے ارشاد ہی:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ الآیہ۔	ان لوگوں کو اگر ہم زمین پر قبضہ دینگے تو یہ لوگ نماز پڑہینگے زکوٰۃ دینگے اور نیک کاموں کا حکم کرینگے "۔

میرے خیال میں بعد توحید و معاد کسی مسئلہ کی نسبت قرآن مجید نے ایسا فیصلہ نہیں کیا ہوگا جیسا مسئلہ خلافت کے متعلق ان آیات نے کیا ہے۔ صاف صاف جملہ خبریہ کی شکل میں فرمایا۔ کہ اگر ہم اونکو سلطنت دینگے تو یہ لوگ دین کے کام کرینگے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کے بتلاتے ہوئے جملہ خبریہ میں کذب تو کسی طرح نہیں ہوتا۔

ایک اور مقام بھی اسکی تائید میں پیش ہو سکتا ہے جو ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (پ۱۴ع۱۳)	جو لوگ مظلوم ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر چکے ہیں ہم اونکو دنیا میں بہت اچھی طرح ٹھیرا وینگے۔ اور اون کے نیک اعمال کے بدلے میں آخرت کا بدلہ

بہت بڑا ہوگا۔ اگر یہ لوگ جانتے ہوں تو سمجھیں یہ وہ لوگ ہیں جو دینی مصائب پر صبر کرتے

ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں۔"

اس آئت میں خدا تعالیٰ نے مہاجرین سے دو وعدے فرمائے ہیں کہ ہم اون کو دنیا میں اچھی طرح عزت سے جگہ دینگے جس سے مراد حکومت ہے دوم آخرت میں بہت بڑا اجر بخشینگے جس سے مراد نجاتِ اُخروی ہے۔ فالحمد للہ۔

ایک اور مقام پر بھی اس کی تائید ملتی ہے جہاں ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۔ (پ ۱۷ ع ۱۸)	جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کر آئے پھر جنگ میں قتل ہوئے یا خود بخود مر گئے۔ اللہ ادنکو بہت اچھا رزق دیگا۔ اور اللہ بہت اچھا رزق دینے والا ہے اون کو ایسی جگہ داخل کریگا جسکو وہ پسند کرتے ہیں۔ بیشک اللہ بڑے علم والا حلم والا ہے۔"

ممکن ہے کسی کے دل میں خیال گذرے کہ یہ آیات جتنی ہیں بجائے خود صحیح ہیں لیکن جن اصحاب نے حضرت علیؓ کی خلافت غصب کی یا غصب کرنیوالوں کی مدد کی انکی پہلی حالت بدل گئی۔ اس لئے وہ ان آیات کے مصداق نہ رہے جو مومنوں کیلئے ہیں" اسکا جواب خود قرآن مجید نے دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (پ ۱۰ ع ۶)	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کئے اور جن لوگوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور مدد کی یہی سچے مخلص مومن ہیں۔ انہی کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے"

اس آئت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مہاجر۔ مجاہد اور انصار خدا کے نزدیک سچے مومن ہیں۔ اور اُن کے لئے بخشش اور عزت کا رزق ہے۔ یعنی ہجرت وغیرہ افعال ایمان کی یقینی علامت ہیں۔ گویا مہاجر اور مومن دونوں ہم معنے ہیں بس اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ جسطرح بغیر کسی قوی دلیل کے ایک مومن کی نسبت

کفر کا خیال کرنا گناہ ہے۔ مہاجر کی بابت بھی بغیر قطعی ثبوت کے سوء ظن کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

تیسری دلیل

قرآن مجید کی دلیل کو قرآن کی بلاغت ملحوظ رکھکر دیکھنا اور سوچنا چاہیے۔ کیونکہ ایسے مسائل کی بابت قرآن مجید میں ہمیشہ اصولی طور پر مختصر اشارات ہوتے ہیں۔ ہم بھی چونکہ طوالت نہیں چاہتے اس لئے مختصر ہی لکھتے ہیں۔

حاشیہ عـ ۱ اس دلیل کے جواب میں شیعہ مجیبٔ نے جو کچھ کہا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنے وعدے ایت آئت میں کئے گئے ہیں سب کے سب بزمانۂ رسالت پورے ہوچکے (۱) صحابہ کرام خلیفہ بنائے گئے (۲) انکو زمین میں تمکین جگہ دی گئی (۳) اون کا خوف بھی دور کیا گیا۔ پہلے وعدے پر آئت لکھی ہے جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ (پ ۲۲ ع ۱۷) دوسرے پر لکھی ہو مَكَّنَّاكُمْ فِي الْاَرْضِ (پ ۸ ع ۸) تیسرے وعدے پر یہ آئت لکھی ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (پ ۹ ع ۱۷) حالانکہ ان آیات کو آئتِ وعدہ سے کوئی تعلق نہیں بجز اشتراکِ ظاہری (لفظی) کے پہلی آئت میں عام انسانوں کو خطاب ہے کہ تم اپنے بزرگوں اور تمہارے بزرگ اپنے بزرگوں کے بعد دنیا میں آئے اور دنیا میں بسے۔ اس سے تم یہ نتیجہ پاؤ کہ ہم بھی کسی وقت یہاں سے چلدینگے۔ اسی کی تائید دوسری آئت کرتی ہے" اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ (پ ۹ ع ۳) (جو لوگ اپنے بزرگوں کے بعد زمین اور زمین کی چیزوں کے مالک بنتے ہیں کیا انکو یہ

لہ (ترجمہ) (۱) خدانے تمکو زمین پر ایک کو دوسرے کے بعد بسایا ۱۲

لہ (ترجمہ) ہم (خدا) نے تمکو زمین میں جگہ دی ۱۲

لہ (ترجمہ) یاد کرو جب تم مسلمان ضعیف تھے پھر خدانے تمکو جگہ دی ۱۲

ایک مقام پر فرمایا:-

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (پ ۵ ع ۸)

"اللہ کی اور رسولؐ کی تابعداری کرو اور اولوالامر کی پھر تمہارا باہمی کسی امر میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ (یعنی جو وہ فیصلہ فرمادیں اسپر عمل کرو) اگر تم اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے"

اس آیت میں دو قسم کے احکام ہیں مذہبی اور سیاسی۔ مذہبی احکام میں تو ارشاد ہوا

حاشیہ بقیہ از صفحہ سابق

سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر ہم (خدا) چاہیں تو ان کے گناہوں کی سزا انکو پہنچادیں۔

اس میں وہ خلافت مراد نہیں جسکا مخصوص مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے بلکہ عام ہے سب انسانوں کیلئے جو یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ دوسری آیت میں بھی لفظی اشتراک سے فاضل مجیب کو دہوکا لگا ہے تمکین کے معنے دو ہیں - عام اور خاص۔ عام تو یہی ہیں جنکا مطلب اتنا ہی ہے کہ زمین پر رہیں۔ خواہ حاکمانہ شکل میں ہو یا محکومانہ صورت میں۔ اس لئے یہ خطاب بھی عام افراد انسانی کو ہے۔ لیکن مسلمانوں سے جس تمکین کا وعدہ ہے وہ یہ معمولی تمکین نہیں جو ہر ایک فرد انسانی کو حاصل ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی تو اس کے وعدے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ تو بغیر وعدہ بھی ہر ایک فرد انسانی کو حاصل ہے بلکہ اس تمکین سے وہ مراد ہے جو خاص حاکمانہ صورت میں ہوتی ہے جیسے کہ حضرت یوسف کے حق میں فرمایا:- كَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ (ہم (خدا) نے یوسف کو زمین پر حکومت دی تھی) تیسری آیت کو بھی اس وعدے سے تعلق نہیں اس لئے کہ خوف بھی دو قسم کا ہوتا ہے جس درجے کا آدمی ہو اسی درجے کا خوف رعایا یا افراد منتشرہ کی صورت میں اپنے جیسے افراد کا خوف ہوتا ہے۔ مثلاً ہم مسلمانوں کو اپنی ہمسایہ قوموں کا خوف ہو۔ دوسرا خوف شاہانہ صورت میں ہوتا ہے جو ایک سلطنت کو دوسری سے ہوتا ہے۔ جیسے آجکل بعض سلطنتوں کو بالشویکوں اور کسی کو کسی سے خوف ہو رہا ہے۔ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو پہلی قسم کا خوف تھا۔ مدینہ طیبہ میں جاکر وہ خوف تو ہٹا یا کم ہوا۔ مگر دوسری قسم کا خوف پیدا ہو گیا

کہ اللہ اور رسول صلعم جو فرماویں۔ اون کی تابعداری کیا کرو۔ سیاسی حکم فرمایا کہ ارباب حکومت کی اطاعت کیا کرو۔

ہماری نظر اس آئت میں لفظ (اولوالامر) پر ہے جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک اولو۔ دوسرا الامر۔ اولو کا ترجمہ والے اور الامر کا ترجمہ حکومت مجموعہ مرکب کا ترجمہ ہے "حکومت والے"

اس آئت کو ملحوظ رکھکر اب دوسری آئت ملاحظہ فرمائیے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حاشیہ بقیہ از صفحہ سابق کہیں شاہ غسان کا ہے تو کہیں کسی کا۔ آپکی پیش کردہ آئت میں پہلی قسم کے خوف کا رفع مذکور ہے۔ ہماری پیش کردہ میں ہر قسم کا خوف مدفوع ہے

لفظی تحقیق آئت مرقومہ میں وَعَدَ فعل ہے اَلَّذِینَ اٰمَنُوا بصفت الایمان مفعول بہ ہے مضمون وعدہ موکد بنونِ ثقیلہ ہے جو استقبال کے لئے ہوتا ہے۔ پس مطلب آئت کا یہ ہے کہ خدا کا یہ وعدہ مخصوص مسلمانوں سے ہے۔ جو بزمانہ آئندہ پورا ہوگا پس بلحاظ مخصوص وعدہ کے یہ کسی طرح درست نہیں کہ عام انعام کی صورت میں اسکا ایفا سمجھا جائے۔ فافہم۔

اظہار تعجب شیعہ مجیب نے ہمارے جواب میں یہانتک تعصب کے کام لیا ہے کہ اپنی روایات اور ائمہ کرام کی پاسداری کی بھی پرواہ نہیں کی شیعوں کی معتبر حدیث کی کتاب اصول کلینی میں امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ "وعد اللہ الذین امنوا والی آئت میں جو خلیفے بنانے کا وعدہ ہے یہ خلیفے ائمہ اہل بیت ہیں" (جلد اول صہ ۱۵۰)

بقول شیعہ مجیب یہ وعدہ جبکہ زمانہ رسالت ہی میں صحابہ کرام کے ساتھ پورا ہو گیا تھا تو ائمہ اہل بیت جو مدت دراز بعد پیدا ہوئے کیونکر اس آئت کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ اور امام جعفر صادق کا قول کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ آہ! ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ماہم بر باد رفتہ باشد

جسطرح شیعہ مجیب نے اپنی کتاب اصول کلینی پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ اہل سنت کی ایک

جو لوگ اپنے پروردگار کا کہا مانتے اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنا کام مشورے سے کرتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے نیک کاموں میں خرچتے ہیں ۔"	وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (پ ۲۵ ع ۵)

اس آئت میں بھی دو قسم کے احکام مذکور ہیں ۔ اول مذہبی متعلقہ اطاعت خدا اور رسول

حاشیہ بقیہ از صفحہ سابق

بڑی مشہور تفسیر (کبیر) پر بھی صاف کر گئے ہیں ۔ اپنے دعوے کو کہ یہ وعدہ (وعد اللذین والی) زمانہ رسالت میں صحابہ کے ساتھ پورا ہو گیا ۔ تفسیر کبیر جلد ۶ کا صفحہ ۳۳۶ ۔ کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کیا ہے حالانکہ صفحہ مذکور پر اس کا ذکر ہی نہیں ۔ البتہ صفحہ ۳۳۸ پر اتنا مذکور ہے ۔

"من کفر ای انکر حق هذه النعم فاولئک هم الفاسقون" یعنی جو لوگ ان نعمتوں (جو آئت وعد میں مذکور ہیں) کے حق کا انکار کرینگے یعنی شکر نہ کرینگے وہ بدکار ہو نگے "

اس حوالہ کا مطلب کیا ہے؟ کس کے حق میں ہے اور کس کے خلاف؟ اسکا جواب ہم اپنے لفظوں میں نہیں دیتے بلکہ خود مصنف تفسیر کبیر کے لفظوں میں دیتے ہیں جو ایک صفحہ اس سے پہلے وہ لکھ چکے ہیں ۔ بعد طویل بحث کے فرماتے ہیں :-

" فثبت بهذا صحة امامة الاربعة وبطل قول الرافضة الطاعنين على ابى بكر و عمر و عثمان " (صفحہ ۳۳۷ دیکھی ہماری تقریر کیسا تھ) اس آئت سے خلفاء اربعہ ابو بکر ۔ عمر ۔ وغیرہ رضی اللہ عنہم کی امامت صحیح ثابت ہو گئی اور رافضی جو حضرت ابو بکر عمر اور عثمان پر طعنے کیا کرتے ہیں اون کا قول غلط جھوٹ ثابت ہوا " (الحمد للہ)

اس موقع پر شیعہ مجیب نے آئت موصوفہ کے متعلق کچھ نحوی تحقیقات بھی لکھی ہے جس سے ناظرین کو مستفید کرنا مناسب ہے ۔ آپ لکھتے ہیں :-

" اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ یہاں پر مِن بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ اسلئے کہ اگر تبعیضیہ ہوتا تو بجائے لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کے لَیَسْتَخْلِفَنَّ مِنْکُمْ یا مِنْهُمْ ہوتا ۔ اس کی دلیل قرآن سے بھی ملتی ہے ۔ چنانچہ جب خدا نے وعدہ کیا تو فرمایا یَجْعَلُکُمْ خُلَفَاءَ فِی الْاَرْضِ ۔ زمین میں خلیفہ

نماز اور زکوٰۃ وغیرہ۔ دوم سیاسی یعنی انتخاب خلیفہ بتفصیل ذیل۔

پہلی آئت میں اولوالامر کی اطاعت واجب فرمائی۔ اِس آئت میں اسی لفظ (امر)

حاشیہ بقیہ از صفحہ سابق

ٹھہرائیگا۔ یہاں پر بھی مِنکم نہیں اگر تبعیضیہ ہوتا تو یجعلُ مِنکُم ہوتا۔ اب یہ معنے ہوئے تمکو خلیفہ بنائیگا۔ اور جب خلیفہ بنا چکا تو کہا ویجعلکم خلائف فی الارض تم سب کو زمین میں خلیفہ ٹھہرادیا" اگر وہاں تبعیضیہ ہوتا تو یہاں بھی کہنا چاہیئے وجعل منکُم ہوتا۔ اب یہ معنے ہوئے تم کو خلیفہ بنائیگا۔ اور جب خلیفہ بنا چکا تو کہا وجعلکم خلائف فی الارض تم سب کو زمین میں خلیفہ ٹھہرادیا۔ اگر وہاں تبعیضیہ تھا تو یہاں بھی کہنا چاہیئے وجعل منکم اور دونوں مقام پر منکم نہیں ہے لہذا بیانیہ رہا۔ اب تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ معنے یہ ہوئے تم سب کو خدا نے خلیفہ بنانے کا وعدہ کرلیا۔ منکم کے مخاطب حاضرین وغائبین تمام مسلمان ہیں" (صک)

خلافت اس ساری تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپکے نزدیک مِن بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں۔ قرآن مجید کے سیاق سباق سے تو ظاہر ہے کہ مِن تبعیضیہ ہے تاہم بیانیہ ہونا بھی ہمارے مخالف نہیں مگر دلیل جو اس پر دی ہے۔ وہ قابل غور ہے۔ مولانا! سُنئے! مفعول بہ کی ضمیر موصول کیطرف پھرا کرتی ہے وہ جیسا بھی ہو۔ چونکہ تبعیضیہ ہونے کی صورت میں تقدیر کلام یوں ہے الذین ھم الموصوفون بالایمان والتبعیضۃ لیستخلفنھم۔ بتلائیے اس پر کیا اعتراض؟ ہاں مجیب صاحب کو یہ بڑی مشکل درپیش تھی۔ کہ وعدہ مذکورہ اگر کل صحابہ کرام سے ہو تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک صحابی خلیفہ ہوتا۔ پھر چاروں کے سوا باقی کیوں محروم رہے (ملخص)

ہم فاضل مجیب کے شکرگذار ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا سوال کیا جس کے جواب سے قرآن مجید نے ہم کو سبکدوش کردیا ہوا ہے۔

جناب مولانا سُنئے! جس قوم میں بادشاہ ہوتا ہے وہ قوم ہی بادشاہ ہوا کرتی ہے۔ آج انگریزوں کی حکومت ہے۔ حالانکہ بہت سے انگریز دیسی روساکے ہاں نوکر ہیں۔ تاہم حکومت انگریزوں کی ہے۔ مزید تائید کے لئے مندرجہ ذیل آئت ملاحظہ کریں۔

کو شوریٰ کے ماتحت فرمایا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی حکومت شورےٰ یعنی انتخاب سے حاصل ہونی چاہیئے۔

اس موقع پر بطور مزید توضیح اور تشریح کے ہم کتب شیعہ کی ایک روائت نقل کرتے ہیں۔ جو جناب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور اصول حکومت کے ایک خطبہ ہے جو آپ نے دورانِ اختلاف میں امیر معاویہ کے نام لکھا تھا۔ فرماتے ہیں:۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد و انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما	جن لوگوں نے ابوبکر۔ عمر اور عثمان کے ہاتھ پر جس شرط پر بیعت کی تھی۔ اونہی لوگوں نے اوسی شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے۔ پس حاضر کو اختیار کرنے اور غائب کو رد کرنے کا اختیار نہیں۔ اسکے سوا نہیں کہ شورے

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (پ۶ ع ۸) (حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے بھائیو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اوس نے تم میں نبی پیدا کئے اور تمکو بادشاہ بنایا اور جو اوروں کو نہیں دیا وہ تمکو دیا) اس آئت میں بزبانِ حضرت موسیٰ سلام اللہ علیہ بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ تمکو بادشاہ بنایا حالانکہ بنی اسرائیل سارے بادشاہ نہ تھے۔ مگر چونکہ قومی حکومت تھی۔ اس لئے گویا سب ہی بادشاہ تھے۔

اُردو زبان میں اسکا استشہاد چاہیں تو سُنئے مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی اپنی مقبول کتاب میں لکھتے ہیں:

اوڑھتے تھے ہم کبھی سر پہ تاج ! ∴ ہم نے بھی لوگوں سے لئے ہیں خراج
مُلک لئے سلطنتیں زیر کیں ! ∴ خیر سے کتنی صدیاں تیر کیں

(الحقوق و الفرائض حصہ دوم صہ ۶۹)

کان ذلک رضیً فان خرج من امرھم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الی ما خرج منہ فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المومنین و ولاہ اللہ ما تولی ۔ (نہج البلاغت مصری جلد دوم صٓ)	(کمیٹی) مہاجرین اور انصار کی ہے پس اگر وہ کسی آدمی پر جمع ہو کر اوس کا نام امام اور خلیفہ رکھیں تو وہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے پھر اگر کوئی شخص کسی طعنے سے یا بدعت کی وجہ سے نکلیگا تو وہ خلیفہ اور مسلمان اُسکو اوسی طرف پھیرینگے. جہاں سے وہ نکلا ہوگا اگر وہ نہ مانیگا تو اس کے غیر راہ چلنے پر وہ اُس سے لڑینگے ؛

اس مکتوب شریف میں جناب امیر المومنین نے جس اصول انتخاب کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ اصول وہی ہے جو قرآن شریف کی آئت موصوفہ میں مذکور ہے یعنی شوریٰ ۔ جناب امیر المومنین نے اس مکتوب شریف میں اصول سلطنت بیان کرکے آئت شریفہ موصوفہ کی تفسیر واضح فرمادی کہ آئت شوریٰ انتخاب خلیفہ کو بھی شامل ہے پس جسکو مسلمان خلیفہ بنادیں وہی خلیفہ برحق واجب الاطاعت ہے ۔

نتیجہ قرآن مجید کی آئت اور حضرت امیر المومنین کے مکتوب شریف سے انتخاب خلیفہ کا اصول معلوم ہونے کیساتھ ہی اوس کا نتیجہ بھی صاف معلوم ہوگیا کہ جو کوئی شخص یا فرقہ کسی ایسے خلیفہ کو خلیفہ برحق نہ مانے جو انتخاب سے خلیفہ بنا ہو۔ وہ شخص اس لائق ہے کہ مسلمان بماتحتی خلیفہ اوس سے جنگ کریں تاکہ وہ خلیفہ کی اطاعت پر مجبور ہو کر اطاعت کرے اور فتنہ مٹ جائے. کیا اچھا فیصلہ ہے اور کیا اچھا اصول ہے ؛

رضی اللہ عنہ وارضاہُ ! ؛

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

کیا سارے مسلمان تاج پہنا کرتے تھے ؟ ہرگز نہیں بلکہ تاج ایک ہی پہنتا ہے ۔ باقی بوجہ قومیت کے یہ فخر کرسکتے ہیں ۔ ٹھیک اسی طرح مسئلہ خلافت کو سمجھئے ۔ خلیفہ بخلافت موعودہ سب ہیں ۔ اور وعدہ پورا بھی ہو چکا ۔ الحمد للہ ؛ (مصنف)

چوتھی دلیل

قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے ذاتِ اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ فرمایا۔ اسوۂ حسنہ کے معنی ہیں "اچھا نمونہ"۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (پ ۲۱ ع ۱۹)	"تم میں سے جو لوگ اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہیں اُن کے لئے اچھا نمونہ ہے"۔

کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر ایک واقعہ مومنوں کیلئے راہ نما ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک غریبانہ دوسرا شاہانہ۔ اس میں بھی شک نہیں کہ حضور ان دونوں زندگیوں میں مومنوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں زندگیوں میں مکمل زندگی کونسی تھی۔

اس کا جواب بس یہی ہے کہ جس زندگی میں اسلام مکمل ہوا وہی زندگی مکمل تھی۔ اسلام اوس وقت مکمل ہوا جب احکام کا نزول ختم ہوا اور بشارت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (پ ۶ ع ۵)	"آج میں (خدا) نے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا"۔

یہ آیت ہم کو صاف راہنمائی کر رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا دوسرا حصہ یعنے مدنی حصہ بہ نسبت مکی حصہ کے مکمل تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اسی مدنی حصے میں حضور کا انتقال ہوا جب ہم اس حصے میں اسوۂ حسنہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک عجیب انکشاف ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ قرآن مجید نے مسئلہ خلافت

کو کیسی باریک در باریک اور لطیف سے لطیف دلائل سے حل کیا ہے۔ ناظرین بھی ہماری طرح قرآنی آیات پر بنظر غائر غور کرینگے تو ہماری طرح مطلب پا جائینگے۔

جس کو ہم بالفاظ دیگر ذرا تشریح سے عرض کرتے ہیں۔ ناظرین بغور سنیں۔

قرآن مجید تعلیمی کتاب ہے۔ تو آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ اسکی تفسیر ہے اسی لئے اس کو اسوۂ حسنہ فرمایا ہے۔ جب ہم آنحضرت کی حیات طیبہ پر غور کرتے ہیں تو ایک عجیب کیفیت ہم پر منکشف ہوتی ہے۔ ابتدا میں غربت تنگی ہجومِ کفار سے فرصت نہیں۔ انجام کار حکومت۔ سیاست۔ سطوت اور فتوحات وافرہ ہیں۔ حیاتِ طیبہ کے یہ دو حصے ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہیں۔ جاں نثارانِ شمعِ محمدی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ غریبی میں ساتھ ہیں تو حکومت میں بھی ہم رکاب۔ ہجرت میں یارِ غار ہیں تو جنگ میں بھی علم بردار۔ پس جو لوگ حیاتِ طیبہ کے دونوں حصوں میں اسوۂ حسنہ کے پیرو رہے۔ ضروری تھا کہ جس طرح حصہ اول کے مصائب میں انکو ابتلا رہا۔ اسی طرح حکومت سے بھی بہرہ یاب ہوتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الحمد للہ سچ ہے[ف] ؎

تا شانہ صفت سر نہ نہی در تہِ آرہ ! ؞ ہرگز بہ سرِ زلفِ نگارے نرسی
تا ہمچو حنا سودہ نہ گردی تہِ سنگ ؞ ہرگز بکف پائے نگارے نرسی

ف اس دلیل کا جواب جو شیعہ مجیب نے دیا ہے اوس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دلیل اون پر بہت گراں گذری ہے۔ چنانچہ اون کا مندرجہ ذیل اقتباس اون کی حیثیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ ہجرت کے متعلق فرماتے ہیں۔

؛ ہجرت میں یار غار تھے ہیں کہتا ہوں ایسے رونے کی آواز کفار کو سنا کر یہ ظاہر کرنے کو کہ رسول (جنکی تم تلاش میں ہو) یہاں موجود ہیں جبر (لَاتَحْزَنْ) کیساتھ تہدید کیگئی اور اون کی منشاء کے خلاف کہہ دیا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ہمارے ساتھ خدا ہے (تم بیکار کفار کو آگاہ کرنیکی کوشش کرتے ہو) اے جناب! بھلا اگر ایسا ہوتا تو کم سے کم کھانس ہی دیتے یا اپنے گھر والوں کو کہہ جاتے کہ جب ہم وہاں ہونگے تم نے مخالفین کو خبر کر دینا۔ اسکے علاوہ کئی صورتیں گرفتار کرانے کی تھیں مگر صدیق اکبر نے جو کچھ کیا وہ دنیا کو معلوم ہے

پانچویں دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی زندگی کا نقشہ جن لفظوں میں بیان کیا ہے۔ وہ غور طلب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔

(پ ۲۶ ع ۱۲)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ (صحابہ کرام) اُنکے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابل بڑے مضبوط ہیں اور آپسمیں رحمدل ہیں۔ تو انکو دیکھیگا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ اون کے چہروں میں سجدے کا اثر ہے یہ مثل انکی تورات میں ہے اور انجیل میں انکی تمثیل ایک کھیتی کی سی ہے جسکی انگوری نکلکر پختہ اور مضبوط ہوجاتی ہے یہانتک کہ وہ بال پر سیدھی کھڑی ہوجاتی ہے۔ کفار اسکی وجہ سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ہیں خدا کیطرف سے اُن کے لئے بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ ہے۔

اس آئت نے صحابہ کرام کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں۔ ایک مذہبی (عبادت وغیرہ) دوم ضعف سوم بعد ضعف حصولِ قوت اور تومندی۔ تاریخ اسلام بیک لفظ متفق ہے۔ کہ ابتدا میں اسلام اور اہل اسلام سخت کمزور رہتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری حصہ بیشک باحکومت تھا مگر انتقال کیساتھ ارتداد عرب سے پھر ایک تہلکہ عظیمہ ایسا آیا جس سے خطرہ تھا کہ ساری محنت اکارت ہوجائیگی۔ مگر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمت اور صحابہ کی اطاعت سے وہ سارا فتنہ فرو

ہوگیا۔ بلکہ آئندہ کی ترقی کا راستہ صاف ہوگیا۔ اس سے بعد دن بدن ترقی کا قدم آگے تھا۔ یہاں تک کہ اس وقت ساری دنیا میں کفار کی دو بڑی سلطنتیں تھیں ایک رومیوں کی قسطنطنیہ بھی جن کے ماتحت تھا۔ جن کا مذہب عیسائی تھا دوسری ایرانیوں کی جنکا مذہب آتش پرستی تھا۔ صحابہؓ کی فوج نے سخت جنگ کے بعد ان دونوں سلطنتوں کو پامال کیا اور دونوں کے ملکوں پر اسلامی جھنڈا لہرایا۔ تمام دنیا کے کفار ڈرتے تھے کہ کہیں مسلمانوں کی فوج ہماری طرف رُخ نہ کرے۔ یہی وہ موقع ہے جسکو خداوند تعالٰے نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے یَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے۔ جس سے کسی (مسلم بلکہ کافر) کو بھی انکار نہیں اور نہ ہوسکتا ہے۔ پس اگر خلفاء اربعہ کی خلافت حق اور حسب وعدہ پسندیدہ خداوندی نہ تھی۔ تو اس آئت کا ظہور کب ہوا؟ جس میں ذکر ہے کہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی بعد ضعف کے ایک دن ایسے تومند ہوجائینگے کہ کفار ان سے ڈرینگے۔ یہی زمانہ ہے جسمیں قیصر وکسرٰے کے جواہر بھرے خزانوں پر مسلمانوں کی فوج نے بماتحتی خلفاء راشدین قبضہ کیا اور وہ تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوئے۔ یہ وہی زمانہ ہے کہ شاہ فارس کی دختر نیک اختر شہر بانو لوٹ میں لونڈی بنکر مدینہ طیبہ میں آئیں۔ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ وارضاہ کے حکم سے امام حسین رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئیں جن سے سادات کی نسل دنیا میں قائم ہوئی۔ یہ وہی زمانہ ہے کہ ایران میں بجائے آتش پرستی کے خدا پرستی جاری ہوئی۔ یہ وہی زمانہ ہے کہ کعبۂ انبیاء (بیت المقدس) میں بجائے تثلیث پرستی کے توحید پرستی کا رواج ہوا۔ ہاں یہ وہی زمانہ ہے کہ مسلمان قوم بحیثیت ایک فاتح اور مالکِ تاج وتخت قوم کے دنیا میں نمودار ہوئی۔ الحمدللہ دنیا کے اس آئت کی صداقت کو بالکل دیکھ لیا۔ ایسا دیکھا کہ محل انکار نہیں۔ اس آئت میں صحابہ کرام کے حق میں ملکی ترقی کی پیشگوئی کے بعد انکی اخروی ترقی اور نجات کا بھی وعدہ فرمایا۔ تاکہ مخالفوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ دنیاوی ترقی سے دینداری کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا۔

یعنی ان اصحاب ایمانداروں اور نیکو کاروں سے خدا نے بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت نے سُنی و شیعہ کی نزاع میں جو فیصلہ کیا ہے کافی سے زیادہ ہے۔ صحابہ کرام کے حق میں قوت، فتوحات ملکی ترقی سب کچھ دینے کا اعلان ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اُخروی نجات اور بخشش کا بھی وعدہ ہے الحمد للہ رضی اللہ عنہم و ارضاھم۔

۵

ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا ۔ لا بارک اللہ فی الدنیا بلا دین[۱]

پانچ کو پانچ سی مناسبت	شیعہ سنی میں پنجتن کی اصطلاح ہے اُن کے ہاں پنجتن سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت علیؓ حضرتؓ

[۱] اس دلیل کا جواب شیعہ مجیب نے ایسا کچھ پریشان لفظوں میں دیا ہے۔ کہ انکی پریشانی کا اظہار کرتا ہے یہانتک لکھدیا ہے کہ:۔

"اس آیت میں نہ تو کہیں حضرت ابوبکر کا نام ہے نہ حضرت عمر کا۔ علاوہ اس کے آپ خود ہی انصاف کیجئے۔" (ص۳۶)

یہ عذر اگر صحیح ہے تو کسی بے نماز کا عذر بھی صحیح ہوگا جسکو مولوی صاحب نے کہا تھا کہ نماز پڑھا کرو بولا کہاں حکم ہے فرمایا اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ بولا اس میں نہ میرا نام ہے نہ میرے باپ کا پھر میں یہ بوجھ بخواہ کیوں اٹھاؤں۔

اے جناب! ہمنے جو واقعات صحیحہ بیان کئے ہیں ٹھنڈے دل سے ان پر غور کیجئے ہاں یہ آپنے خوب لکھا کہ "یہ آیت آلِ محمد کی شان میں ہے" چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ مگر یہ تو بتائیے کہ ان علامات میں سے اعلیٰ ترین علامت جو یہ ہے۔

لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ (انکی وجہ سے کفار کو سخت رنج ہوتا ہوگا۔

کفار کی سطوت اور شوکت کو جو نقصان پہنچنے اور ان کے رنجیدہ ہونے کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ یہ آلِ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہنچا تھا یا اصحابؓ سے؟ کس نے ممالک کفر پر اسلامی جھنڈا گاڑا تھا۔ ہاں کس نے ایران کو نارکدہ سے نورکدہ بنایا تھا؟ جنہوں نے یہ کام کئے وہی اس

فاطمہؓ اور حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔ ہمارے نزدیک پنجتن سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ ہیں۔ اس لئے ہم نے اپنے دعوٰے پر دلیلیں پانچ ہی لکھی ہیں خدا قبول فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی زندگی کا مقابلہ

ہم اہل سنت کا مذہب بمقابلہ شیعہ اور خوارج کے بعینہ وہی نسبت رکھتا ہے۔ جو (بلاتشبیہ) اسلام بمقابلہ عیسائیت اور یہودیت کے رکھتا ہے یعنی جسطرح عیسائی اور یہودی حضرت عیسٰے علیہ السلام اور حضرت سید الانبیاء محمد مصطفٰے علیہ السلام کو اور عیسائی صرف آنحضرت کو نہیں مانتے۔ اور مسلمان بمقابلہ ان کے سب کو مانتے ہیں حضرت عیسٰی ہوں یا حضرت موسٰی۔ اسی طرح شیعہ اور خوارج بعض بعض صحابہؓ کو نہیں مانتے مگر ہم اہلسنت کی عجیب کیفیت ہے کہ سب کو مانتے ہیں الحمد للہ حضرت ابوبکر۔ عمر۔ اور عثمان کے حق میں رضی اللہ عنہم کہتے ہیں تو حضرت علی کے حق میں بھی کرم اللہ وجہ لکھتے ہیں۔ پھر مقابلہ زندگی کیسا؟ اسکا جواب بعد مقابلہ کے عرض ہوگا۔

کچھ شک نہیں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں انسان کی ذاتی قابلیت کا بہت کچھ لحاظ رکھا گیا ہے۔ برخلاف خاندانی عزت کے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خدا ان لوگوں کو جو خاندانی شرافت پر اتراتے تھے۔ فہمائش کرنے کو فرماتا ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ

یعنے اے یہودیو! یہ نبیوں کی جماعت تم سے پہلے گذر چکی ہے جو کچھ وہ کر گئی انکو ملیگا اور جو تم نے کیا۔ تم کو ملیگا۔

اسی آیت سے گویا استنباط کر کے خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہ نے ایک شعر میں فرمایا ہے۔

ان الفتے من قال ھا انا ذا
لیس الفتے من قال کان ابی ؎

یعنی بہادر اور قابل آدمی تو وہ ہے جو کہے کہ میں لائق ہوں مجھے دیکھ لو۔ وہ لائق نہیں جو کہے کہ میرا باپ ایسا تھا۔

یہی مضمون شیخ سعدی مرحوم نے یوں فرمایا ہے ؎

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر
گل از خار است ابراہیم از آزر۔

ہم جو مقابلہ زندگی کا کرینگے تو اسی مذکورہ اصول سے کرینگے۔ ان دونوں بزرگوں کی زندگی کو ہم چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں (۱) قبل از اسلام (۲) بعد از اسلام تا ہجرت (۳) بعد ہجرت نبوت تا انتقال رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم (۴) زمانہ خلافت ہر دو۔

پس بغور سنیئے!

حضرت ابوبکر قبل از اسلام

آپ قبیلۂ قریش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتویں پشت میں مرہ بن کعب پر ملتے ہیں

آپ ایک تجارت پیشہ۔ رئیس اور قریش کی کونسل کے ایک معزز رکن تھے، بامروت اور خلیق تھے۔ آپکی قوم کے لوگ آپکے پاس بغرض ضروریات اور مشورہ کے آتے آپ بڑے مہمان نواز۔ غریب نواز مصائب میں کام آنے والے تھے۔ تاریخی حوالجات اس کے متعلق درج ذیل ہیں:۔

کان ابو بکر فی الجاہلیۃ وجیھا رئیسا من رؤسا قریش والیہ کانت الدیات فی الجاہلیۃ وکان اذا حمل شیئا قالت فیہ قریش صدقوہ و امضوا حمالتہ الخ (استیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

حضرت ابوبکر زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) میں بڑے معزز رئیس تھے اُن کے پاس خون کے مقدمات لائے جاتے تھے۔ جب وہ کسی بات کے ذمہ دار ہو جاتے تو قریش کہا کرتے تھے کہ انکی تصدیق کرو اور اسکی ضمانت کو منظور کرو۔

تاریخ الخلفاء میں مذکور ہے :-

ان ابا بکر الصدیق احد عشرۃ من قریش اتصل بھم شرف الجاھلیۃ والاسلام فکان الیہ امر الدیات والغرم (تاریخ الخلفاء ص۲۱)	حضرت ابوبکر قبیلہ قریش کے اُن گیارہ معزز ممبروں میں تھے۔ جنکو جاہلیت اور اسلام میں عزت حاصل تھی۔ قتل میں خونبہا اور نقصانات میں انکی ضمانتیں منظور کیجاتی تھیں۔

سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے :-

کان ابو بکر رجلاً مولفا لقومہ محبباً سھلاً وکان انسب قریش لقریش واعلم قریش بھا وبما کان فیھا من خیر وشر۔ (مصری برزاد المعاد صفحہ ۱۳۴)	حضرت ابوبکر اپنی قوم قریش میں ایک پسندیدہ نرم طبیعت آدمی تھے۔ جن سے لوگ بہت محبت کیا کرتے تھے اور قریش کی اچھی نسب سے تھے۔ اور قریشی نسب اور اسکے خیر وشر کو بہت خوب جانتے تھے!

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر بعد از اسلام اپنے بیگانے سے تنگ آکر مکہ معظمہ چھوڑنے لگے۔ تو ایک معزز آدمی اُن کے ارادہ پر مطلع ہو کر قریش کو ان لفظوں میں سمجھاتا ہے۔

اتخرجون رجلاً یکسب المعدم ویصل الرحم ویحمل الکل ویقری الضیف ویعین علی نوائب الحق (بخاری باب الھجرۃ)	کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کرتے ہو۔ جو ناداروں کو کام پر لگا کر فائدہ پہنچا دیتا ہے اور تعلقات رحم کو ملاتا ہے۔ بوجھل آدمی کا بوجھ خود اٹھا لیتا ہے اور آئے گئے مہمانوں

مسافروں کی خاطر تواضع کرتا ہے۔ اور جائز ضرورتوں پر درد کرتا ہے:

یہ واقعہ اگرچہ بعد از اسلام کا ہے لیکن اس معزز آدمی نے جو حضرت ابوبکر کے فضائل بیان کئے ہیں یہ فضائل قبل از اسلام کے ہیں اس لئے اس باب میں ہم نے اسکو نقل کیا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر رضؓ کی بابت تاریخی شہادت متفقہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں اپنی برادری میں ایک معزز شریف اور رکن تھے۔ انکے

مقابلہ میں حضرت علیؓ کی بابت بھی سنئیے :-

حضرت علی قبل از اسلام

آپ خاندان قریش کے بنی ہاشم میں آنحضرت صلعم کی دوسری پشت دادا عبدالمطلب میں ملتے ہیں۔ آپکے والد ابوطالب قوم میں ایک معزز رئیس تھے۔ مگر حضرت علی شروع ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ آپ ہی نے اُن کو پرورش کیا۔ آپ ہی کے زیر اثر تھے۔ حضرت علیؓ جب مسلمان ہوئے تو حسب بیان مؤرخ ابن ہشام آپکی عمر دس سال کی تھی۔ آپکی پرورش اور اسلام کا حال ابن ہشام یُوں بیان کرتا ہے :-

کان اول ذکر اٰمن برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدق بما جاءہ من اللہ علی ابن ابی طالب وھو ابن عشر سنین یومئذ وکان مما انعم علی علی رضی اللہ عنہ انہ کان فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاسلام۔ ان قریشا اصابتھم ازمۃ شدیدۃ وکان ابوطالب ذا عیال کثیر فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم للعباس عمہ وکان ایسر بنی ھاشم یا عباس ان اخاک ابا طالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا الیہ فلنخفف عنہ من عیالہ اٰخذ من بنیہ رجلا وتاخذ انت رجلا فنکفھما عنہ فقال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا

سب مردوں سے پہلے جنہوں نے آنحضرت کو قبول کیا اور آپکی تصدیق کی حضرت علیؓ تھے۔ آپ پر ایمان لائے اس حال میں کہ آپ دس سال کی عمر کے تھے۔ حضرت علیؓ پر خدا کا یہ خاص انعام تھا کہ وہ اسلام سے پہلے بچپنے ہی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں تھے کیونکہ قریش پر ایک دفعہ سخت قحط پڑا تھا اور ابوطالب بڑا عیالدار تھا۔ تو آں حضرت صلعم نے اپنے چچا عباسؓ کو (جو تمام بنی ہاشم میں زیادہ مالدار تھا) کہا اے عباس! آپکے بھائی ابوطالب بڑے عیالدار ہیں اور لوگوں کو اس قحط کی وجہ سے سخت تکلیف ہو رہی ہے آپ میرے ساتھ چلئے تو ہم اُن کے

اباطالب فقالا انا نرید ان نخفف عنہ من عیالک حتی ینکشف عن الناس ماھم فیہ فقال لھما اذا ترکتما عقیلا وطالبا فاصنعا ما شئتما فاخذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علیا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفر افضمہ الیہ فلم یزل علی مع رسول اللہ حتی بعثہ اللہ نبیا فاتبعہ علی رضی اللہ عنہ و امن بہ وصدق بہ۔

(مصری بزاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۳۴)

بوجھ سے کچھ تخفیف کریں۔ آپ کے لڑکوں میں سے ایک میں لے لوں اور ایک آپ۔ عباس نے کہا اچھا۔ چنانچہ دونوں نے جاکر ابو طالب سے ذکر کیا۔ کہ ہم چاہتے ہیں کہ قحط رفع ہونے تک آپ کے عیال کا بوجھ آپ سے ہلکا کریں۔ ابو طالب نے کہا میرے دو لڑکے طالب اور عقیل میرے لئے چھوڑ دو۔ باقی لڑکوں کے متعلق تم کو اختیار ہے۔ پس آنحضرت نے علی رضہ کو اور عباس رضہ نے جعفر کو لے لیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضہ آنحضرت صلعم کے پاس ہمیشہ رہے یہانتک کہ جب خدا نے آپ کو نبی مقرر کیا۔ تو حضرت علی رضہ تابع ہو گئے اور ایمان لائے اور آپکی تصدیق کی۔

ان دونوں بزرگوں کی ابتدائی زندگی پر نظر کر کے یہ فیصلہ بالکل صحیح اور آسان ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ کا اسلام قبول کرنا اپنے اختیار سے تھا۔ اور ایک بہت بڑا شخصی انقلاب تھا۔ برخلاف اس کے حضرت علی کا اسلام میں داخل ہونا کوئی بڑا انقلاب نہ تھا۔ کیونکہ آپ آنحضرت صلعم کے مثل فرزند زیر اثر تھے۔ جسکی وجہ سے ایک طرح سے آپکو پیدائشی مسلمان کہنا چاہیئے۔

باقی رہا قرب رشتہ رسالت۔ یہ ایک الگ امر ہے۔ اس سے ہمیں انکار نہیں۔ ہمارا مقصود اس عنوان میں ان دونوں صاحبوں کے ذاتی افعال کا مقابلہ دکھانا ہے۔ نہ کہ قومی اور نسبی۔ سو اس ذاتی مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں

کہ حضرت ابو بکر رضہ کو برتری اور فضیلت ہے

رضی اللہ عنہما وارضاھما۔

حضرت ابوبکرؓ بعد از اسلام

حضرت ابوبکرؓ نے بعد از اسلام جو خدمات کیں۔ ان کا بیان اس طرح ہے کہ آپ نے مالی اعزازی بلکہ جانی خدمات ایسی کیں کہ حضورؐ رسالت سے سرٹیفکیٹ ان لفظوں میں حاصل کیا۔

ان امن الناس علی فی مالہ وصحبتہ ابو بکر (بخاری مسلم)	سب لوگوں سے بڑھکر مال اور محبت دونوں وجہوں سے مجھ پر احسان کرنیوالا ابوبکر ہے"۔

آپ جب مسلمان ہوئے تو آپ کی جائداد چالیس ہزار درم تھی۔ جو اس زمانہ اور ملک کی حیثیت سے آج کل کے چالیس لاکھ کے برابر ہیں۔ آپ نے سب اسلام کی خدمات

شیعہ اس مقابلہ میں شیعہ مجیب بہت صماندہ نظر آتے ہیں ہمیں ان کی درماندگی میں ان کے ساتھ ہمدردی ہے مگر کیا کریں واقعات ایسے ہی کچھ ہیں۔ درماندگی کا ثبوت صریح یہ ہے کہ ہمارے صریح حوالجات کے مقابلہ میں کوئی صاف اور صریح حوالہ بنقل عبارت پیش نہیں کیا۔ محض زبانی اپنے ناظرین کو مغالطہ دیا ہے۔ یہانتک کہ اس مقام پر پہونچکر تو ایسے درماندہ ہوئے ہیں۔ کہ بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا:۔

"چالیس لاکھ روپیہ اسلام کی خدمت میں خرچ کردیئے۔ اسکی بھی سند نہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس کی مدح میں کوئی چھوٹی سی آئت بھی آئی! اگر آئی ہوتی تو مولوی صاحب ضرور لکھتے " (ص۳)

خلافت سند تو ہم نے استیعاب کی عبارت میں صاف لکھی ہے مگر غصے میں نہ دیکھنے کا کیا علاج؟ ہاں آئت کے اترنے کی خوب کہی۔ آپکے نزدیک قرآن مجید بھی اچھا خاصہ ایک گورمنٹ گزٹ ہے کہ جنگ میں جو کوئی اچھی رقم چندے یا قرضے میں دے اوس کی تعریف کے ساتھ اعلان کیا جائے۔ بہت خوب لیجئے حضرت غور سے سنئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے حق میں ایک آدھ خرچ کا ذکر کیا کیا جائے وہاں تو روزانہ ہی یہی حالت تھی کہ گویا یہ مصرع ورد زبان تھا کہ "گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو" اس لئے اگر روزانہ ان کے اس قسم کے واقعات پر

ہیں خرچ کر دیئے مورخین کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں :-

اسلم ابوبکر و لہ اربعون الفا انفقھا کلھا علیٰ رسول اللہ و فی سبیل اللہ۔ (استیعاب فی معرفۃ الاصحاب صفحہ ۳۴۳)	ابوبکر جس روز مسلمان ہوئے۔ اُس دن ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جن سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ کر دیا۔"

اسی لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

مانفعنی مال احد مانفعنی مال ابوبکر (ترمذی) (استیعاب صفحہ ۳۴۲)	"مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا!"

مشرکین عرب کی طرف سے مسلمانوں کو جو تکالیف ہوتی تھیں۔ اُن تکالیف کا نشانہ سب سے زیادہ سخت غربا لوگوں پر لگتا تھا۔ خصوصاً غلام جنکی برادری بھی عرب میں کوئی نہ تھی۔ جیسے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حبشی عامر بن فہیر

آیتیں اُترنے لگیں تو قرآن بھی اچھا خاصہ ایک دیوان متنبی بنجاتا۔ جس کے بہت سے حصے میں سیف الدولہ کی مدائح بھری پڑی ہیں۔ اس لئے بجائے موقع بموقع کی تعریفات کے صرف ایک ہی مقام پر جو کہنا تھا سب کچھ فرما دیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کے افک میں مسطح مہاجر بھی قدرے شریک تھا۔ صدیق اکبر اکبر اسکو بوجہ غریب مہاجر ہونے کے وظیفہ دیا کرتے تھے۔ بہتان عائشہ میں شرکت کیوجہ سے حضرت صدیق اکبر نے اسکا وظیفہ بند کر دیا تو یہ آیت اُتری :-

لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (پ ۱۸ ع ۹) (یعنی جو لوگ تم میں فضیلت اور فراخی والے ہیں وہ قرابتداروں کو۔ مسکینوں کو۔ فی سبیل اللہ مہاجروں کو دینے سے قسم نہ کھائیں بلکہ معاف کریں اور درگذر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمکو بخشے۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے") یقیناً یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اخراجات پر دائمی سند ناطق ہے۔

وغیرہ رضی اللہ عنہم ان غلاموں کے ان کے مالک جو سلوک کرتے تھے۔ اس کا نقشہ مورخ ابن ہشام کے الفاظ میں یوں ہے :۔

کان امیة ابن خلف یخرجه اذا حمیت الظهیرة فیطرحه علی ظهره فی بطحاء مکة ثم یأمر بالصخرة العظیمة فتوضع علی صدره ثم یقول له لا تزال هکذا حتی تموت او تکفر بمحمد و تعبد اللات والعزی وهو یقول فی ذلک البلاء احد احد (مصری جلد اول ص ۱۷۰)	امیۃ بن خلف بلال رض کو سخت دہوپ میں نکال کر پتھروں پر ڈال دیتا تھا۔ پھر ایک بہت بڑا پتھر اس کے سینہ پر رکھوا کر کہتا۔ کہ اسیطرح تیرا حال ہوتا رہیگا۔ جبتک تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہ چھوڑیگا اور ہمارے معبود لات عزیٰ کی پوجا نہ کریگا۔ بلال رض اس تکلیف میں احد احد کہتا تھا۔"

اس قسم کے مخلص غلاموں کو حضرت ابو بکر نے اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا۔ ایسے غلاموں کی تعداد سات تک پہونچتی ہے۔ چنانچہ مورخین کے الفاظ یہ ہیں :۔

اعتق ابو بکر سبعة کانوا یعذبون فی اللہ منهم بلال و عامر بن فهیرة (استیعاب ص ۳۴۲ ابن ہشام ص ۱۷۰)	حضرت ابو بکر رض نے سات غلام آزاد کئے تھے جو اللہ کے رستے میں عذاب کئے جاتے تھے انمیں سے بلال اور عامر بن فہیرہ تھے۔"

ف اس مقابلہ میں حضرت ابو بکر کے غلام آزاد کرنے کے ذکر پر بھی شیعہ مجیب بہت گھبرائے ہوئے نظر آتے ہیں آپ لکھتے ہیں :۔

"مولوی صاحب نے فخر کیا ہے کہ سات غلام آزاد کئے۔ یہ کوئی فخر کی بات نہیں اسلئے کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ غلام آزاد کیا کرتے تھے حتی کہ یہود و نصاریٰ بھی یہ عمل کیا کرتے تھے۔" (ص ۳۸)

خلافت محض رسمی طور پر غلام آزاد کرنا اور بات ہے جس طرح حضرت صدیق نے آزاد کئے وہ خاص انہی کا حصہ تھا۔ ملاحظہ ہوں الفاظ "یعذبون فی اللہ" یعنی

سچ تو یہ ہے کہ ایک بلال رضؓ جیسے مقبولِ خدا غلام کو امیہ جیسے موذی کی تکلیف اور غلامی سے چھڑا کر آزاد کر دینا حضرت ابو بکر رضؓ کے کارناموں میں ایک بہت بڑا سنہری طغرٰے ہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

حضرت ابو بکر بعض مالداروں کی طرح صرف مال ہی دینے پر قناعت نہ کرتے تھے بلکہ زبانی اشاعت میں بھی بہت حصہ لیتے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے کئی ایک معزز رئیس مسلمان ہوئے تھے۔ چنانچہ مورخ ابن ہشام کے لفظ یہ ہیں

فجعل یدعو الی اللہ والی الاسلام من وثق بہ من قومہ ممن یغشاہ ویجلس الیہ فاسلم بدعائہ فیما بلغنی عثمان بن عفان والزبیر بن العوام و عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وطلحہ بن عبداللہ فجاء بھم الی رسول اللہ حین استجابوا لہ واسلموا۔

(ابن ہشام مصری جلد اول ۱۳۲)

جو لوگ حضرت ابو بکر کے پاس آتے جاتے تھے وہ انکو اللہ اور اسلام کی طرف بلاتے تھے چنانچہ ان کے بلانے سے عثمان بن عفان اور زبیر بن عوام اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبداللہ ایمان لائے۔ جب یہ لوگ ابو بکر رضؓ کی تلقین کو مان گئے تو ابو بکر رضؓ نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر حاضر کر دیا۔

اُن خدمات کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضؓ کو حضورِ رسالت میں یہ قبولیت تھی کہ جب حضورؐ نے صحابہ کرام کو بوجہ ناقابل برداشت تکلیف کے ملک حبش

ایسے شیدایان اسلام جو اللہ کے دین کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھے۔ ایسے جان نثاران شمع محمدی پر رحم کرنا اور ان کو قید مصائب سے چھڑانا کسی مشرک یا یہودی عیسائی کا کام تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ صدیق اپنی خدمات کے لحاظ سے بزبان حال اسلام کو مخاطب کر کے کہہ سکتا ہے ؎

مجھ سا مشتاق جہاں میں کہیں پاؤ گے نہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغِ رخ زیبا لیکر!

کو ہجرت کرجانے کی اجازت فرمائی تو ابوبکرؓ نے بھی درخواست کی کہ مجھے بھی اجازت ہو تو میں بھی مکہ سے ہجرت کر جاؤں. جب ابوبکرؓ نے یہ درخواست کی تو حضور نبوت سے جواب ملتا رہا کہ ٹھیر جا. شائد خدا تیرا کوئی ساتھ بنا دے ابن ہشام کے الفاظ اس کے متعلق یوں ہیں:-

کان ابوبکر یستاذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الھجرۃ فیقول لہ رسول اللہ لا تعجل لعل اللہ یجعل لک صاحباً قد طمع بان یکون رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انما یعنی نفسہ حین قال لہ ذلک فابتاع ر احلتین فاحتبسھما فی دارہ یعلفھما اعداداً لذلک (ابن ہشام برزاد المعاد جلد اول صفحہ ۲۶)	حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کرنے کے لئے اجازت مانگتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے تھے جلدی نہ کرو. شائد اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی ساتھی بنا دے. اس سے ابوبکر کو امید ہوئی کہ میری ساتھی آنحضرت صلعم ہونگے اسلئے انہوں نے دو اونٹنیاں خرید کر اسی غرض کیلئے گھر میں باندھ رکھی تھیں (کہ ایک پر حضورؐ اور ایک پر میں سوار ہو کر چلینگے)!

آخر کار یہی ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا جسکی وجہ سے آپ کا لقب یار غار مشہور ہوا. جس کا ذکر آگے آتا ہے. رضی اللہ عنہ

حضرت علیؓ بعد از اسلام

کچھ شک نہیں کہ حضرت علی چونکہ آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی بلکہ مثل بیٹوں کے پروردہ تھے مگر ذاتی حیثیت میں مال و دولت اور مستقل قومی عزت کے مالک نہ تھے اسلئے آپکی خدمات میں مالی خدمات کا پتہ نہیں ملتا. ہاں سارا فخر اور بڑائی انہیں جو تھی وہ خود انہی کے الفاظ میں مورخ ابوالفداء نے یوں بیان کی ہے:-

سبقتکم الی الاسلام طراً ؛ غلاماً ما بلغت اوان حلمی (ابوالفداء)

میں نے تم سب سے پہلے اسلام کی طرف لڑکپن میں سبقت کی تھی جبکہ
میں ابھی بلوغت کو بھی نہ پہونچا تھا۔"

بالکل صحیح ہے لیکن سوال اس وقت اپنے ذاتی اسلام کا نہیں گو اسکا مقابلہ بھی پہلے عنوان میں ہو چکا ہے بلکہ سوال خدمات کا ہے۔

ہاں ایک دفعہ کا واقعہ خاص قابل ذکر ہے ایک روز بنی ہاشم میں دعوت تھی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس میں لوگوں کو یوں مخاطب فرمایا:-

يا بنى عبد المطلب انى والله ما اعلم شابا فى العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتكم بخير الدنيا والآخرة وقد امرنى الله تعالىٰ ان ادعوكم اليه فايكم يوازرنى على هذا الامر على ان يكون اخى ووصى وخليفتى فيكم فاحجم القوم عنها جميعا وقلت وانى احدثهم سنا انا يا نبى الله اكون وزيرك عليه فاخذ برقبتى ثم قال ان هذا اخى ووصى وخليفتى فيكم فاسمعوا له واطيعوا فقام القوم يضحكون فيقولون لابيطالب قد امرك ان تسمع لابنك وتطيع -

(ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۴)

اے عبد المطلب کی اولاد! قسم ہے خدا کی میں جو تمکو تعلیم دیتا ہوں۔ اس سے اچھی کوئی بھی اپنی قوم کے پاس نہیں لایا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمکو اسکی طرف بلاؤں۔ تم میں سے کون میری مدد کریگا اس نیت سے کہ میرا وصی اور خلیفہ ہو تم میں۔ بس سارے لوگ خاموش رہے میں (علی) سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت میں آپکا اس کام میں وزیر ہوں۔ یہ سنکر فرمایا یہ (علی) میرا بھائی ہے اور وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ بس تم لوگ اسکی سنو اور اطاعت کرو۔ لوگ یہ سنکر ہنستے چلےگئے ابو طالب کو کہتے تھے کہ لو سنو! تمہیں حکم ہوا ہے کہ اپنے بیٹے علی کی تابعداری کرو"

اس واقعہ سے حضرت علیؓ کی بہت بڑی دلیری کا ثبوت ملتا ہے لیکن غور کیا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے اپنی ہمت اور حیثیت سے

مطابق یہ تہیہ کیا ہے جسکی بابت مخالف سے مخالف کو بھی مرحبا جزاک اللہ کہنے کے سوا چارہ نہیں مگر حیثیت آپکی صرف ذاتی تھی۔ مالی اور اعزاز قومی جو تھی وہ اوپر مذکور ہو چکی۔

نوٹ اس روائت میں جو لفظ آتا ہے کہ یہ علی میرا خلیفہ اور میرا وصی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کو اُس وقت تبلیغ اسلام میں خلیفہ بنایا تھا۔ اسی لئے عرب کے سرداروں نے ابوطالب کو نادم کیا کہ تم اپنے بیٹے کے ماتحت کئے گئے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ نے بعد انتقال حکومت کا خلیفہ بنایا تھا اسکا تو اُس وقت کسی کو خیال کیا خواب بھی نہ تھا۔ نہ حاضرین نے اسکا مطلب یہ سمجھا تھا۔

نتیجہ اس مقابلہ کا بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعد از اسلام ایک معزز رئیس کی طرح خدمتگار رسالت تھے اور حضرت علیؓ ایک خاص خادم یا تابعدار اولاد کی طرح فدائی تھے۔ لیکن بلحاظ اُن وجوہ کے جو تمہید میں ہم عرض کر آئے ہیں۔ جنکا خلاصہ یہ ہے ع

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر

ہم حضرت ابوبکر کا درجہ بڑھا ہوا پاتے ہیں رضی اللہ عنہم وارضاھم۔

حضرت ابوبکرؓ بوقتِ ہجرت اور بعد ہجرت

ہجرت کے بعد کے واقعات سے پہلے ہجرت کی ابتدا میں دونوں بزرگوں کی خدمات کا مقابلہ بہت لطیف اور قابل غور ہے ہجرت کی اجازت ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے حضرت ابوبکر کے گھر گئے جس کا ذکر صحیح بخاری میں یوں ہے:۔

قالت عائشۃ بینما نحن یوما جلوس فی بیت ابی بکر فی نحر الظہیرۃ قال قائل لابی بکر ھذا رسول اللہ	حضرت عائشہؓ نے کہا ہم (ابوبکر کے گھر میں) بیٹھے تھے دوپہر کے وقت آنحضرت تشریف لائے تو کسی نے آواز دی کہ

صلی اللہ علیہ وسلم متقنعا فی ساعۃ لم
یکن یاتینا فیہا فقال ابو بکر فداء
لہ ابی وامی واللہ ماجاء بہ فی ہذہ
الساعۃ الا امر قالت فجاء رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذن
فاذن لہ فدخل فقال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم لابی بکر اخرج من عندک
فقال ابو بکر انما ہم اہلک بابی انت
یا رسول اللہ قال فانی قد اذن لی
فی الخروج فقال ابو بکر الصحابۃ بابی
انت یا رسول اللہ قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نعم قال ابو بکر
فخذ بابی انت یا رسول اللہ احدی
راحلتین ہاتین قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بالثمن قالت
عائشۃ فجہزنا الجہازۃ وصنعنا لہما
سفرۃ فی جراب فقطعت اسماء بنت
ابی بکر قطعۃ من نطاقہا فربط بہ علی
فم الجراب فبذلک سمیت ذات
النطاق قالت ثم لحق رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر فی جبل
ثور فکمنا فیہ ثلث لیال یبیت عندہما
عبد اللہ بن ابی بکر فیدلج من عندہما

حضورؐ سر منہ لپیٹے آرہے ہیں وہ ایسا وقت
تھا کہ اُس میں نہ آیا کرتے تھے۔ ابو بکرؓ
نے سنتے ہی کہا میں قربان ہوں اس وقت
کوئی سخت ضرورت آپکو لائی ہوگی۔ آپ نے
آتے ہی فرمایا جو لوگ گھر میں ہیں انکو
باہر کردو ابو بکرؓ نے عرض کی کوئی غیر
نہیں۔ حضورؐ کی منسوبہ عائشہؓ ہے۔ فرمایا
مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ یہ
سنتے ہی ابو بکرؓ نے عرض کیا حضور مجھے
بھی ہمرکابی نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا
ہاں بیشک۔ یہ سنکر ابو بکر نے عرض کیا
حضور میری دو اونٹنیاں اسی غرض
کے لئے ہیں۔ آپ ایک کو قبول فرمائیں
فرمایا قیمت سے۔ عائشہؓ کہتی ہیں ہم
(گھر والوں) نے دونوں کے لئے اچھی
طرح سے سامان تیار کردیا۔ اور خرجی
میں کھانے پینے کی چیزیں رکھدیں
میری بڑی بہن اسماء نے اپنا کمربند
کھولکر دو ٹکڑے کرکے اُس خرجی کو اس
سے باندھ دیا۔ اور اسی روز سے اُنکا
نام ہوگیا دو کمربندوں والی۔ پھر آنحضرتؐ
اور ابو بکر غار ثور میں تین روز چھپے رہے
عبد اللہ ولد ابو بکر رات کو ان کے ارد گرد

بسحر فیصبح مع قریش بمکة کبائت	رہتا اور دن کو مکہ میں قریشیوں
فلا یسمع امرًا یکتادان بہ الا دعاہ حتی	کے درمیان آجاتا گویا رات بھر
یاتیھما بخبر ذلک حین تختلط الظلام فیرعٰی	مکہ ہی میں رہتا تھا پھر جو بات بھی
علیھما عامر بن فہیرة مولا ابی بکر منحة من غنم	دونوں کے متعلق سنتا رات کو جا کر
فیریحھا علیھما حین تذھب العشا فیبیتان	عرض کر دیتا۔ عامر ولد فہیرہ جو
فی رسل وھو لبن منحتھما و رضیفھما حتی ینعق بھا	ابوبکر کا غلام تھا دن بھر انکے
عامر بن فہیرة بغلس یفعل ذلک فی کل لیلة	ارد گرد بکریاں چرایا کرتا تھا رات
من تلک اللیالی الثلث (صحیح بخاری باب ہجرة النبی)	کیوقت انکو دودھ دے آتا۔ ان

تمام راتوں میں عامر یہی کرتا رہا۔

نتیجہ طیبہ

اطبا کہتے ہیں۔ آدمی جو غذا کھاتا ہے وہ جزو بدن بنکر اس کی زندگی بحال رکھنے کا سبب ہوتی ہے۔ ہم اور خدمات سے قطع نظر کر کے صرف اسی روائیت پر نظر کریں تو حضرت ابوبکرؓ کے احسان سے ہم سب مسلمان سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنے روز غار ثور میں چھپے رہے۔ انتظام غذا ابوبکرؓ کے گھر سے تھا۔ وہ غذا آپ کا جزو بدن بنی تھی اور جزو بدن بنکر آئندہ کی زندگی کا سبب وہی غذا ہوئی ہوگی اور آئندہ کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام وغیرہ اپنی خدمات سرانجام فرمائیں تو ان خدمات میں حضرت ابوبکر کو بھی دخل ہوا جسکا نتیجہ صاف ہے کہ آج جس قدر لوگ مسلمان ہیں۔ ان تک اسلام پہنچنے اور اور اُن کے مسلمان ہونے میں بھی ابوبکرؓ کا احسان ہے۔ لہذا ہم سب مسلمانوں کو اس احسان کے شکریہ میں بیک زبان کہنا چاہیے رضی اللہ عنہ وارضاہ

سفر ہجرت میں پہلی منزل غار ثور تھی۔ وہاں کی کیفیت تو روائت مرقومہ میں مذکور ہے۔ دوسری منزل وہ ساری مسافت ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے اس ساری لمبی مسافت میں جو قریبًا تین سو میل کے ہے آنحضرتؐ کے مصاحب خاص

حضرت ابوبکرؓ تھے اور کوئی نہیں۔ مدینہ شریف پہونچکر حضرت ابوبکرؓ کی خدمات کا شمار کرنا مشکل ہے البتہ ان کی قبولیت کے اثرات مثال کے طور پر بتا سکتے ہیں۔

بوجہ خدمات دینی تین مقامات پر حضرت ابوبکر کو خاص امتیاز حاصل ہوا جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔

(۱) جنگ بدر میں مسلمانوں کی حالت بہت نازک تھی۔ کفار مسلمانوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ اس موقع پر آنحضرت دعا کرنے کے لئے ایک جھونپڑی میں تشریف لیگئے۔ جھونپڑی میں سوائے ابوبکرؓ کے دوسرا کوئی نہ تھا۔ چنانچہ مؤرخین نے اس واقعہ کو بڑی اہمیت سے لکھا ہے جن کے الفاظ یہ ہیں۔

وعدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصفوف ورجع الی العریش ومعہ ابوبکر وحدہ وطفق یدعو ویلح وابوبکر یقاولہ ویقول فی دعائہ اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض اللھم انجز لی ما وعدتنی وسعد وقوم معہ من الانصار علی باب العریش یحمونہ واخفق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم انتبہ فقال ابشر یا ابابکر فقد اتی نصر اللہ الخ۔

(ابن خلدون صفحہ ۳ بقیہ جلد دوم)

آنحضرتؐ نے جنگی صفوں کو درست کیا اور خود اپنی جھونپڑی کی طرف تشریف لیگئے اور آپکے ساتھ صرف ابوبکرؓ تھے جو آپسے باتیں کرتے تھے۔ آنحضرتؐ دعا میں فرماتے تھے یا اللہ اگر تو اس گروہ مسلمین کو آج جنگ میں ہلاک کر دیگا تو دنیا میں تیری خالص عبادت نہ کیجائیگی۔ اے اللہ جو تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے پورا کر۔ سعدؓ اور اس کے چند آدمی انصار کے جھونپڑی کے دروازے پر تھے حضرتؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کو ذرا سی غنودگی ہوئی۔ اس سے بعد آپ بیدار ہوئے تو فرمایا اے ابوبکرؓ تو خوش ہو اللہ کی مدد آنیکو ہے۔

(۲) دوسرا واقعہ امارت حج کا ہے یعنی بعد فتح مکہ جب مکہ شریف اسلامی سلطنت کے زیر فرمان ہو کر دار اسلام بن گیا تو موسم حج میں امیر حج (کمشنر) کا جانا ضروری تھا۔ اس خدمت کے لئے حضرت ابوبکرؓ منتخب ہوئے اور آپ نے یہ

ساری خدمت باحسن وجوہ ادا کی۔ چنانچہ مؤرخین کے الفاظ اس بارے میں درج ذیل ہیں:-

حج ابو بکر بالناس ومعہ عشرون بدنۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولنفسہ خمس بدنات وکان فی ثلث مائۃ رجل فلما کان بذی الحلیفۃ ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اثرہ علیا وامرہ بقرئتہ سورۃ البرأۃ علی المشرکین فعاد ابو بکر قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزل فی شئ قال لا ولکن لا یبلغ عنی الا انا او رجل منی الا ترضی یا ابا بکر انک کنت معی فی الغار وصاحبی علی الحوض قال بلی فسار ابو بکر امیرا علی الموسم۔

(ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۱۲ ابن جریر طبری جلد دوم صفحہ ۱۵۲)

ابو بکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا آپکے ساتھ بیس قربانیاں آنحضرتؐ کی تھیں اور پانچ انکی اپنی تھیں تین سو آدمی ابو بکرؓ کے ساتھ تھے جب ذی الحلیفہ مقام میں پہونچے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اونکے پیچھے حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ سورۂ برأت مشرکوں کو سناویں۔ ابو بکرؓ علیؓ کو دیکھکر واپس آئے آکر عرض کیا حضرت میرے حق میں کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ فرمایا نہیں مگر بات یہ ہے کہ میرا پیغام یا تو میں سناؤں یا میرے کنبہ کا کوئی آدمی سناوے پھر فرمایا اے ابو بکرؓ کیا راضی نہیں اس سے کہ تو میرے ساتھ غار میں یار غار تھا اور حوض کوثر میں بھی ساتھی ہوگا؟ ابو بکرؓ نے کہا ہاں حضورؐ۔ پس ابو بکرؓ حج کے امیر ہو کر روانہ ہو گئے۔"

(۳) تیسرا واقعہ امامت کا ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی علالت جب غالب ہوئی تو حضورؐ نے حکم دیا کہ ابو بکرؓ جماعت کرا دیں۔ آجکل نائب امام کا درجہ ایک معمولی سمجھا گیا ہے۔ مگر شرعی قاعدے سے معمولی نہیں بلکہ نائب امام کو امام کے ساتھ رتبہ کے لحاظ سے ایک خاص نسبت ہوتی ہے۔ خصوصاً جس نائب کو اصل امام ہی منتخب کرے۔ اس بارے میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں:-

مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتد مرضہ

آنحضرتؐ بیمار ہوئے اور آپکی بیماری بہت

فقال مروا ابا بکر فلیصل بالناس قالت عائشۃ انہ رجل رقیق اذا قام مقامک لم یستطع ان یصلی بالناس قال مری ابا بکر فلیصل بالناس فاتاہ الرسول فصلی بالناس فی حیات النبی (بخاری باب الامامت) ابن خلدون بقیہ جلد دوم ص

پڑھیگی تو فرمایا ابوبکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھاویں عائشہؓ نے کہا وہ ضعیف القلب ہیں جب آپکی جگہ کھڑے ہونگے مارے غم کے نماز پڑھا نہیں سکینگے فرمایا ابوبکرؓ ہی کو کہو۔ پھر ابوبکرؓ کے پاس قاصد نے آکر کہا تو انہوں نے حضرت کی زندگی میں نماز پڑھائی ؛

بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا ابوبکرؓ کو امامت کے لئے انتخاب کرنا حکمت خدائی پر مبنی تھا۔ آنحضرتؐ کے انتقال پر صحابہ کرام کو جو رنج اور بے چینی پیدا ہوئی۔ اُس کا دفعیہ خدا نے ابوبکرؓ سے کرایا۔ بعد انتقال جس وقت لوگ حواس باختہ کچھ کچھ بول رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مسجد میں آتے ہی ایک خطبہ (لیکچر) شروع کیا جس کے الفاظ یہ ہیں :-

فقال ابو بکر اما بعد من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت ثم تلا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و اللہ لکان الناس لم یعلموا ان اللہ انزل ھذہ الآیۃ حتی تلاھا ابو بکر فتلقاھا منہ الناس کلھم فما اسمع بشرا من الناس الا یتلوھا۔ (بخاری

حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ لوگو! جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا وہ سُن لے کہ محمدؐ انتقال کر گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالےٰ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ محمدؐ تو ایک رسول ہیں اُن سے پہلے کئی رسول گذر گئے بھلا وہ مر گئے یا قتل کئے گئے تو تم لوگ دین چھوڑ کر پھر جاؤ گے سنو! جو کوئی پھر جائیگا وہ اللہ کو کچھ ضرر نہ دیگا۔ یہ سنکر لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ آیۃ ابوبکرؓ کے پڑھنے کے وقت نازل ہوئی

جلد دوم - تاریخ ابن خلدون
بقیہ جلد دوم صفحہ ۶۳ ابن اثیر وغیرہ

رہے حضرت ابوبکرؓ کے پڑھنے سے سب لوگوں کے منہ پر چڑھ گئی۔ پھر تو ہر آدمی کے منہ سے میں سنتا تھا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ بوقت ہجرت اور بعدِ ہجرت تا وصال آنحضرت

کچھ شک نہیں کہ حضرت علیؓ بھی اس میدان میں بڑے جانباز ثابت ہوئے ہیں۔ آپکی خدمات بہت قابلِ شکریہ ہیں۔

اوّل جس وقت آنحضرتؐ نے رات کو ہجرت کا ارادہ کیا۔ تو مکان سے باہر کفّار کا ہجوم تھا جس سے بچکر نکلنا بظاہر مشکل تھا۔ مگر بمنشاء خداوندی آپ نکلنے پر تیار ہو گئے اور تجویز یہ کی کہ اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لیٹ جانیکا حکم دیا۔ مورخ اسکی بابت یوں لکھتے ہیں :-

فاتا جبریل الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال لا تبت اللیلۃ علی فراشک فلما کانت العتمۃ اجتمعوا علی بابہ یرصدونہ متی ینام فیثبوا علیہ فلما راھم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لعلی بن ابی طالب نم علی فراشی واتشح ببردی الاخضر فنم فیہ فانہ لن یخلص الیک تکرھہ وامرہ ان یودی ما عندہ من ودیعۃ وامانۃ وغیر ذلک۔

(ابن اثیر وغیرہ جلد دوم صفحہ ۲۹)

جبریلؑ نے آنحضرتؐ کے پاس آکر کہا آج شب کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیگا پھر جب اندھیرا ہوا۔ تو لوگ آنحضرتؐ کے دروازہ پر جمع ہو کر انتظار کرنے لگے کہ آنحضرتؐ کب سوئیں۔ تو ہم ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس وقت حضورؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا۔ تو میرے بستر پر سو جا اور میری سبز چادر اوڑھ لے اور اسی میں سو جا پھر کوئی ضرر رساں چیز تجھے نہیں پہنچیگی اور آپنے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ جس جس قسم کی کوئی امانت میرے پاس ہو وہ میرے بعد ادا کر دیجیو۔"

حضرت علیؓ مرتضیٰ نے جنگ بدر میں بھی بہت بڑی خدمات کیں۔ مشرکین عرب نے مسلمانوں کو للکارا کہ مدینے والوں سے ہمارا کوئی کام نہیں ہمارے قریشی برادر ہمارے سامنے آکر ہاتھ دکھاویں اور دیکھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے حکم دیا۔

فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم قم یا حمزۃ قم یا عبیدۃ قم یا علیؓ فقاموا و دنا بعضھم من بعض فبارز عبیدۃ عتبۃ وبارز حمزۃ شیبۃ وبارز علیؓ الولید فاما حمزۃ فلم یمھل شیبۃ ان قتلہ واما علیؓ فلم یمھل الولید ان قتلہ واختلف عبیدۃ وعتبۃ بینھما ضربتین کلاھما قد اثبت صاحبہ وکر حمزۃ وعلیؓ وعتبہ فقتلاہ واحتملا عبیدۃ الی اصحابہ الخ (ابن اثیر ص۵۹ ج۲)

اے حمزہؓ اُٹھ۔ اے عبیدہؓ اُٹھ اے علیؓ اُٹھ۔ پھر تو سب اُٹھے اور ایک دوسرے کے قریب ہوا پس حضرت عبیدہؓ عتبہ کے اور حضرت حمزہؓ شیبہ کے اور حضرت علیؓ ولید کے مقابلہ میں آئے حمزہؓ نے تو فوراً ہی ولید کو قتل کر دیا۔ اور حضرت علیؓ نے فوراً ولید کو قتل کر دیا۔ ہاں عبیدہؓ اور عتبہ میں کچھ دیر چلی تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اسکو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو اُٹھا لائے۔"

جنگ اُحد

اسی طرح جنگ اُحد میں بھی جناب علیؓ مرتضیٰ نے بڑی خدمت کی۔ اور کفار کی طرف سے طلحہ بن عثمان نے مسلمانوں کو للکارا۔ تو حضرت علیؓ نے اس کا عملی جواب دیا اور میدان میں نکلکر اُسے قتل کر ڈالا۔ اس جنگ میں آپکو بہت سے زخم بھی لگے۔" (ابن ہشام ابن اثیر ص ج۲)

جنگ خندق

اسی طرح جنگ خندق میں عمرو بن عبد مسلمانوں کو للکارتا ہوا نکلا تو جناب مرتضیٰ کی مار سے قتل ہوا (ابن اثیر ص۵۹ ج۲)

صلح حدیبیہ

میں جناب مرتضیٰ مسلمانوں کیطرف سے معاہدہ کفار کے کاتب تھے۔ (ابن اثیر جلد دوم ص۹۷)

جنگِ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کل فوجی جھنڈا ہم اوس شخص کو دینگے۔ جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ اور رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔ خدا اوس کے ساتھ سے فتح کرائیگا۔ صبح ہوئی تو جھنڈا جناب مرتضےٰ کو عنائت فرمایا۔

(بخاری باب المغازی مسلم باب المناقب)

مولا علی جناب مرتضیٰ کی خدمات کے صلے میں سب سے بڑا طغریٰ وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب مرتضےٰ کے حق میں فرمایا ہے۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ (مشکوٰۃ)

"جس کا میں محبوب ہوں علی رضہ بھی اُسکا محبوب ہونا چاہئیے"

یعنی جو مسلمان مجھ سے محبت رکھے۔ فرض ہے کہ علی سے بھی محبت رکھے

اللّٰھم اشھد انا نخیہ

نوٹ اس حدیث میں مناظرانہ گفتگو آگے آتی ہے انشاء اللہ تعالےٰ۔

نتیجہ اس سارے مقابلہ میں واقعات کو ملحوظ رکھکر غور کیا جائے تو دونوں صاحبوں (ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما) کی خدمات میں بہت بڑا امتیاز نظر آتا ہے۔ حضرت علی رضہ کی خدمات ایک جوان بہادر سپاہی کی طرح قابل قدر ہیں لیکن ابوبکر رضہ کی خدمات مدبرانہ اور افسرانہ نظر آتی ہیں۔ اسی لئے وہ خاص مواقع میں رتبۂ قرب پر فائز نظر آتے ہیں۔ جہاں دوسرا کوئی بھی نہیں ہوتا۔ غار ثور میں قرب سفر ہجرت میں قرب۔ بدر کی جھونپڑی میں قرب۔ امارت حج۔ آخر نیابت امامت کا درجہ ان سب قربات پر جناب ابوبکر رضہ کے منہ سے نکلے تو موزوں ہے۔

گدایاں را ازیں معنے خبر نیست
که سلطانِ جہاں باماست امروز

ان قربات کا یہی نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جناب صدیق

کی ایک خاص وقعت تھی جسکا ثبوت اسی ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پُرملال پر سب اصحاب محزون ومغموم ہیں۔ مسجد نبوی میں ٹولیاں ٹولیاں لگ رہی ہیں کوئی کچھ بول رہا ہو کوئی کچھ۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق خطبہ شروع کرتے ہیں تو اپنی اپنی گفتگو چھوڑ کر سب لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے خطبے سے وہ فائدہ ہوتا ہے جو ایک بڑے جلیل القدر بزرگ کے کلام سے ہوتا ہے۔ (یہ خطبہ اسی کتاب کے صفحہ ۴۶۔ پر منقول ہے)

وقائع نگار اور وقائع بین کا فرض ہے کہ ہر ایک گذشتہ واقعہ کی نظیر اور مثال اپنے زمانہ میں تلاش کر کے رائے قائم کیا کرے۔ مثلاً کسی بادشاہ یا بڑے رُتبے والے بزرگ کی موت پر جب ارکانِ دولت اور حلقہ ارادت میں پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ تو اوس موقعہ پر جو شخص ایسی مستعدی سے دخل دے۔ اور کام سرانجام دے اور تمام متعلقین اس کی طرف متوجہ ہوں۔ تو اس کی وقعت ان لوگوں کے دلوں میں کیا ہوگی۔ اور وہ ان میں کیسا مقبول ہوگا۔ بس ع

قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بعد خلافت

یہ عنوان سب عنوانوں سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ یہ عنوان سب عنوانوں کا اور اس کا زمانہ سب زمانوں کا خاتمہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہوتے ہی کئی قسم کے دشمن اسلام پر حملہ آور ہوئے۔ قائلین اسلام نے علم بغاوت بلند کیا۔ وجہ یہ بتائی کہ ہم اپنے مالوں کی

زکوٰۃ خلیفہ کو نہ دینگے۔ دوسری طرف مدعیان نبوتِ کاذبہ کا زور شور ہُوا۔ (مسمات) سجاح مدعیہ نبوت الگ۔ مسیلمہ الگ۔ اسود عنسی الگ برسر مقابل تھے۔ اس نازک زمانہ کی تصویر علامہ ابن خلدون مورخ کے لفظوں میں دراؤنی ہے جو لکھتے ہیں:۔

قد ارتدت العرب اما القبیلۃ مسنوعبۃ واما بعض منہا ونجم النفاق والمسلمون کالغنم فی اللیلۃ المطرۃ لقلتھم وکثرۃ عدوھم (بقیہ جلد ۲ صفحہ ۶۵)۔

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب کے بعض قبیلے تمام اور بعض میں سے کچھ مرتد ہو گئے۔ نفاق ظاہر ہو گیا تھا۔ اور مسلمان بوجہ اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے ایسے ہو رہے جیسے بارش کی رات میں بھیڑ اور بکریاں سکڑی ہوتی ہیں"۔

اللہ اکبر! کیسا نازک زمانہ ہو گا۔ یہ سب لوگ حضرت ابوبکر کی ذات خاص کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ اسلام کے دشمن تھے۔ حضرت ابوبکر اپنے عزم اور استقلال سے ان سب مشکلات پر غالب آئے۔ سال اوّل میں تو آپ نے عرب کے مانعین زکوٰۃ کو ٹھیک کیا۔ دوسرے سال مدعیانِ نبوت کاذبہ کو ملیا میٹ کیا۔ اس سے فراغت پاکر تیسرے سال عراق عرب اور فلسطین پر حملہ کیا جسکا اثر بفضل تعالےٰ حضرت ابوبکرؓ کی مساعی جمیلہ سے یہ ہُوا کہ عراق کے علاوہ دمشق تک فتوحاتِ اسلامیہ ترقی کر گئیں۔ الحمدللہ۔

یہ زمانہ ایسا نازک تھا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں اسلام کی صداقت اور سچی محبت جانشین نہ ہوتی اور وہ مضبوط دل کیساتھ کھڑے ہو کر ان مشکلات کا مقابلہ نہ کرتے تو اسلام کا نام و نشان دنیا میں نہ رہتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کو اگر ایک کھیت سے تشبیہ دی جائے تو اس کی تفصیل یہ ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دانہ ڈالا جو پھوٹ کر نکلا لیکن سر سبز ہوتے ہی پانی کی بندش سے قریب سوکھنے کے ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُس کھیت کو پانی دیا جس سے اُسکی خشکی دُور ہوئی اور تمام از سرِ نو سر سبز ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد خلافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو اسلام کی شوکت اور ترقی کمال درجے پر تھی مگر امیر المومنین حضرت عثمان کے مظلومانہ قتل کی وجہ سے خانہ جنگی کا آغاز تھا ایک طرف حضرت عائشہ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم برسر مخالفت تھے دوسری طرف امیر معاویہ مخالف تھا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ ساری مدتِ خلافت (تقریبًا پانچ سال) اسی خانہ جنگی کے فرو کرنے میں صرف ہوئی۔ کوئی جدید ملک زیر نگین اسلام نہ آیا۔ بلکہ شروع سے جتنے ممالک پر آپکی خلافت مسلّم ہو کر آپ قابض ہوئے تھے ان میں سے بہت سا حصہ ہاتھ سے نکلکر امیر معاویہ کے ہاتھ چلا گیا۔ اسمیں شک نہیں کہ خانہ جنگیوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے لیکن امر واقع یہ بھی ہے کہ جناب مرتضےٰ کی حمیت اور جوش سیاسی قابلیت پر غالب تھی۔ آپ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معاویہ جیسے قابو یافتہ عامل (گورنر) شام کو ایک دم عہدہ سے معزولی کا حکم بھیجدیا۔ حالانکہ اس نے بیعت بھی نہ کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ اس کے مقابلہ ہی میں حضرت علی مرتضیٰ کو جامِ شہادت پینا نصیب ہوا۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔ مضمون کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں نہ ہمارا موضوع ہے نہ اس تفصیل پر ہماری غرض موقوف ہے بلکہ ہماری غرض تو صرف نتیجہ سے ہے جو بالکل دو فقروں میں آسکتا ہے جسکو ہم بالمقابل لکھتے ہیں:-

حضرت ابو بکر	حضرت علی
خلافت کو سنبھالتے ہی تمام بغاوت کو فرو کر دیا۔ مدعیان نبوت کاذبہ کو	خلافت کو سنبھالتے ہی خانہ جنگی کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ مخالفوں کا غلبہ رہا ممالک مقبوضہ

بڑھایا۔ حالانکہ مدتِ خلافت کل اڑہائی سال تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اسلامی فتوحات نام کو بھی نہیں ہوئیں آخر اسی خانہ جنگی میں شہادت یاب ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

اسی لئے امام رازی مرحوم جیسے محب اسلام کو یہ رائے قائم کرنی پڑی جو درج ذیل ہے:۔

امام مرحوم آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[1] کے جملہ الفاظ کی تشریح کر کے مندرجہ ذیل رائے بطور نتیجہ کے ظاہر کی ہی فرماتے ہیں:۔

"ومعلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذی هذا وصفه انما کان فی ایام ابی بکر وعمر وعثمان لان فی ایامهم کانت الفتوح العظیمة وحصل التمکین وظهور الدین والامن ولم یحصل ذلک فی ایام علی رضی اللہ عنہ لانه لم یتفرغ لجهاد الکفار لاشتغاله بمحاربة من خالفه من اهل الصلٰوة" (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳۷)

ایسی خلافت جسکا اس آیت میں بیان ہے صرف حضرت ابوبکر عمر اور عثمان کے زمانہ میں تھی کیونکہ اون کے زمانہ میں فتوحات عظیمہ ہوئیں اور مسلمانوں کو دین پر مضبوطی ہوئی۔ اور دین بالکل ظاہر ہوا اور سب طرف امن و امان ہوا مگر حضرت علی کے زمانہ میں یہ بات حاصل نہ ہوئی۔ کیونکہ کفار کے جہاد کیلئے فارغ نہ ہوئے بلکہ وہ مسلمان مخالفوں ہی سے مشغول پیکار رہے"۔ رضی اللہ عنہم:۔

امام رازی ہی پہ کیا منحصر ہے ہر ایک محقق جو اپنی رائے کو واقعات پر مبنی کرنے والا ہو یہی کہنے پر مجبور ہو گا۔

نتیجہ ظاہری

آج جس قدر اسلامی دنیا ہے ابوبکرؓ کے زیر احسان ہے اس لئے اون کے منہ سے یہ دعا نکلتی ہے جو بارگاہ الٰہی میں قبولیت پاتی ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ:۔

---

[1] اس آئت کی تفسیر اور تشریح صفحہ ۲۷ کتاب ہذا پر گذر چکی ہے ملاحظہ ہو منہ

شیعوں کی طرف سے سرِ دفتر دلیل

حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر

حضرت علی کی خلافت تو سُنّی بھی مانتے ہیں مگر شیعہ اتنے پر راضی نہیں کیونکہ اُن کا مذہب ہے کہ حضرت علی بلافصل خلیفہ تھے یعنی بعد انتقال آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلافت حضرت علی کا حق تھا۔ اس کا نام ہے۔ خلافۃ بلافصل۔

شیعوں کی طرف سے اس دعوٰے پر جو دلائل دی جاتی ہیں اُن میں سرِ دفتر دلیل مندرجہ ذیل ہے:۔

قرآن مجید کی آئت ہے:۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (پ ۶ ع ۱۴)	اے رسول! جو کلام تجھ پر خدا کی طرف سے اُترا ہے وہ پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائیگا کہ تم نے تبلیغ پوری نہ کی اور اللہ تجھکو لوگوں سے بچائیگا

اللہ تعالےٰ کافروں کو راہ نہیں دکھائیگا"۔

اس آئت میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں جو شیعوں کے اس دعوٰے پر دلیل ہو سکے۔ مگر وہ اس آئت کے ساتھ ایک حدیث کو یوں ملاتے ہیں۔ اس کے الفاظ مختلف طریقوں سے مختلف آئے ہیں جن میں سے صاف اور صریح مندرجہ ذیل ہیں۔ راوی کہتا ہے:۔

لما نزلت ھذہ الآیۃ اخذ بید علی بن ابی طالب وقال من کنت مولاہ	جب یہ آیت بلّغ ما انزل اُتری تو آنحضرت نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا

فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ فلقیہ عمر فقال ھنیاً لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولا کل مومن و مومنۃ (رسالہ الغدیر فی امامۃ الامیر ص۱۲)	میں مولا ہوں علی بھی اسکا مولا ہے (پھر دعا کی) اے اللہ جو علی کو مولا سمجھے تو اس سے محبت کر اور جو علی سے عداوت رکھے تو اس سے عداوت کر اس کے بعد حضرت عمر حضرت علی کو ملے تو کہا

اے علی آپکو مبارک ہو۔ آپ ہر ایک مسلمان مرد اور عورت کے مولا بنگئے"

اس روائت کو آئت کے ساتھ ملاکر یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں جس کلام کے پہونچانے کا حکم ہے وہ یہی ہے جو آنحضرتؐ نے مقام غدیر میں لوگوں کو پہونچایا کہ علی تمہارا مولا ہے اور مولا کے معنے حاکم کے ہیں پس معنے یہ ہوئے کہ جس کا میں (رسولؐ) حاکم ہوں علی بھی اسکا حاکم ہے لہذا خلافت بلا فصل ثابت"

سُنّی کہتے ہیں کہ مولا کے لفظ کے معنے متعدد آتے ہیں (۱) "مالک" کے آتے ہیں جیسے رُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ (پ ۷ ع ۱۴) (۲) دوسرے "دوست" کے بھی آتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا (پ ۲۵ ع ۱۵)

جس لفظ کے معانی متعدد ہوں اُن میں سے ایک معنے معین کرنے کیلئے کسی قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی ضرورت ہُوا کرتی ہے۔ اس قاعدے کے مطابق ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ کن معنے کا قرینہ ہے۔ مگر قرینہ بتلانے سے پہلے خلافت کے معنے بتانے ضروری ہیں۔ خلافت کی تعریف میں فریقین (شیعہ و سنّی) کا گو قدرے اختلاف ہے مگر اصل بات میں دونوں متفق ہیں۔ یہاں ہم شیعوں کی مسلمہ تعریف نقل کرتے ہیں جو یہ ہے:۔

الخلافۃ ریاسۃ عامۃ تامۃ فی کافۃ امور الناس دیناً و دنیاً لشخص انسانی عیلنی نیابۃ عن النبی (رسالہ الغدیر مصنفہ مولوی حائری صاحب لاہوری ص)

یعنی خلافت نبوت کی نیابت میں عام حکومت کا نام ہے۔

اس تعریف میں نیابت کا لفظ یاد رہے۔ پس اب ہم بتاتے ہیں کہ سُنیوں نے جو مولا کے معنے محبوب کے لئے ہیں اُنکا پہلا قرینہ یہ ہے[ف] کہ آنحضرتؐ نے حضرت علی کو مولا المومنین کہکر فرمایا۔ خداوندا! جو علی رضہ سے محبت کرے تو اُس سے محبت کیجیو۔ اور جو علی سے عداوت کرے تو اُس سے عداوت کیجیو۔ اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ مولا کے معنے ایسے ہیں جو محبت اور عداوت سے مناسبت رکھتے ہیں۔ یعنی محبوب اور دوست، پس روائیت مذکورہ کے یہ معنے ہوئے کہ اے لوگو! جو مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ علی سے بھی رکھے اور بس۔ اسکو خلافت سے کیا تعلق؟ اللّٰھم اشھد انا نحب رسولک محمدًا ونحب محبوبہ علیا رضی اللہ عنہ۔

دوسرا قرینہ یہاں یہ ہے کہ آنحضرت کے کلام سے یہ صاف سمجھا جاتا ہے کہ

ف شیعہ مجیب نے جوش میں ہماری تقریر پر غور نہیں کیا۔ مولا کے معنے حاکم کرنے کے لئے بہت سی اِدہر اُدہر کی زحمت برداشت کی۔ مگر ہمارے اس قرینہ پر غور نہیں کیا جو خود اُنہی کی حدیث سے نقل ہے یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنی طرح مولا قرار دے کر بطور دعا کے خود فرمایا:-

اے اللہ میرے اعلان کے مطابق جو علی سے محبت رکھے
تو اُس سے محبت رکھیو۔ اور جو اس سے عداوت رکھے تو
اُس کو مبغوض رکھیو۔

یہ قرینہ سب قرینوں سے قوی تر ہے کہ اس جگہ مولا سے مراد محبوب ہے افسوس شیعہ مجیب نے اسکو چھوا تک نہیں ایک حوالہ ہم اور اضافہ کرتے ہیں شیعہ مجیب اور انکے دوست خاص کر غور سے سنیں۔ قرآن مجید میں مولا بصورت جمع موالی آیا ہے مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ ہو۔ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ (پ ۲۱ ع ۱۷) اسکا ترجمہ شیعہ مترجم مولوی مقبول احمد صاحب یوں کرتے ہیں پس اگر نہیں جانتے ہو تم باپوں اون کے کو پس بھائی ہیں تمہارے دین میں اور دوست تمہارے ہیں پس جو معنے یہاں موالی کے بغیر قرینہ کے مولوی صاحب مرقوم نے کئے ہیں یا قرینہ ہیں یعنی دوست اور محبوب۔ فاذا فہم ما لو

ایک ہی وقت میں دونوں خود رسول اللہ اور علیؓ ہم مومنین کے مولا ہیں چنانچہ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔ حالانکہ جن معنے سے شیعہ مولا کو یہاں استعمال کرتے ہیں اُن معنے سے حضرت علی آنحضرتؐ کے ساتھ ایک زمانے میں مولا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضرت علی کی ولایت یعنے حکومت تو بعد آنحضرتؐ کے نیابۃً ہو گی۔ آنجنابؐ کی زندگی میں تو خلیفہ نہ تھے بلکہ ہو بھی نہ سکتے تھے۔ حالانکہ روایت مذکورہ میں مولا کے لفظ کے ایسے معنے لینے چاہئیں جن معنے سے آنحضرت اور حضرت علی ایک وقت میں مولا ہو سکیں وہ معنے یہی ہیں کہ حضرت علی سب مومنین کے دوست اور محبوب ہیں جیسے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کے محبوب ہیں۔ اس میں نیابت اور خلافت نہیں ہے ۔ یہ دونوں ایک وقت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے بے کھٹکا حضرت علی کو مبارکباد دی جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ اس وقت کے حاضرین نے بھی اس فرمان نبوی کے یہی معنے سمجھے تھے ۔ کہ حضرت علی کے حق کے مولا کا لفظ بمعنے محبوب ہے دگر ہیچ۔ ہنوز اس مضمون کے متعلق بہت سے مباحث باقی ہیں۔ جنکو ہم اس مختصر سے رسالہ میں لانا نہیں چاہتے۔

مسئلہ وراثت

مسئلہ خلافت کے بعد شیعہ سُنی میں بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ وراثت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت اون کے ورثار کو حضرت ابو بکرؓ نے نہ دی۔ حالانکہ قرآن مجید کے متعلق اُن کا حق تھا۔

سُنی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں جو آیت ہے وہ اُمت کے لئے ہے۔ نبی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس دعوے کی دلیل اہلسنت کی پاس وہ حدیث ہے جو دونوں فریقوں کی مستند کتابوں میں ملتی ہے یعنی صحیح بخاری اور اصول کلینی میں۔ ہم اس جگہ ان دونوں کتابوں سے اصل الفاظ نقل کر دیتے ہیں

تاکہ ناظرین کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں

قال ابو بکر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ (بخاری کتاب الفرائض)

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ فرماتے تھے ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا کرتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ (وارثوں کیلئے ترکہ نہیں ہوتا بلکہ) فی سبیل اللہ صدقہ ہوتا ہے۔

شیعوں کی معتبر حدیث کی کتاب اصول کلینی کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر (اصول کلینی کتاب العلم)

امام ابوعبداللہ زین العابدین کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء ورثہ میں روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا کرتے بلکہ علم کا ترکہ۔ پھر جو کہ اس علم کو لیتا ہے وہ بہت بڑا حصہ لیتا ہے۔

یہ دونوں روایتیں الفاظ میں گو قدرے مختلف ہیں مگر معنے میں بالکل متفق ہیں۔ دونوں بیک زبان کہتی ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ترکہ مالی تقسیم نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ انبیاء کا ترکہ علم ہے مال نہیں۔

اس عنوان میں بھی شیعہ مجیب جلدی سے نکل گئے نہ ہمارے لفظوں کو دیکھا نہ حدیث کو۔ بلکہ اپنے ائمہ کی حدیث کو بھی غور سے نہیں دیکھا۔ آپ ان حدیثوں کا مطلب یہ بتاتے ہیں:۔

"آنحضرتؐ یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ اصل میراث انبیاء کی علم ہے۔ تم لوگ انکی میراث کو مال نہ سمجھنا" (صفحہ ۵۷)

خدا جانے اس تکلف سے آپکی کیا مراد ہے۔ حدیث کے الفاظ صاف ہیں:۔

ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا

جسکا ترجمہ صاف یہی ہو کہ "انبیاء اپنے ورثہ میں روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا کرتے"

اس کا نتیجہ صاف ہے کہ اونکی زندگی میں جو بظاہر اونکا مال نظر آتا ہے وہ صرف اونکی زندگی ہی تک ہوتا ہے انکی وراثت میں منتقل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

اس جواب پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے اور ہوا کرتا ہے کہ اگر انبیاء کا ترکہ وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا تو حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں کیوں آیا وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (پ ۱۹ ع ۱۷) "حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے"

یہ وراثت کیسی ؟ اس کا جواب بھی صاف ہے، جو سنی اور شیعہ میں متفق علیہ ہے سنی کہتے ہیں یہ وراثت علم کی تھی۔ شیعہ گو منہ سے نہیں کہتے مگر اُن کی کتاب یہی کہتی ہے۔ اصول کلینی میں مذکور ہے :-

قال ابو عبد اللہ ان داؤد ورث علم الانبیاء و سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا۔ (اصول کلینی کتاب الحج)	امام ابو عبد اللہ زین العابدین نے کہا کہ حضرت داؤد انبیاء کے علم کے وارث ہوئے اور سلیمان داؤد کے؟ اور حضرت محمد رسول اللہ سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم آنحضرت کے وارث ہوئے"

یہ روائت اوس آیت کی صاف تفسیر کر رہی ہے کہ وراثت داؤدی مالی نہ تھی بلکہ علمی تھی۔

شیعہ سنی میں فیصلے کی صورت	اس میں شک نہیں کہ شیعہ سنی اسلام کے مدعی اور اکی

نے جب یہ حدیث سنی تو خود شیعوں کی شہادت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ کہا کہ "میں اس مال میں وہی طریق اختیار کرونگا جو آنحضرت کرتے تھے یعنی باغ فدک میں سے اپنے عیال کے (یعنی تمہارے) لئے لیکر باقی فی سبیل اللہ خرچ دیتے۔ میں بھی ایسا ہی کرونگا۔ وراثت میں نہیں دونگا۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا

انا معاشر الانبیاء لا نورث ذھبا ولا فضۃ ولا ارضا ولا عقارا ولا دارا ولیکن نورث الایمان والحکمۃ والعلم والسنۃ

یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سونا چاندی یا باغ زمین یا گھر بار ورثہ میں نہیں چھوڑا کرتے بلکہ ہم ایمان، حکمت، علم اور طریقہ نبوت کا ورثہ چھوڑا کرتے ہیں"

یہ سنکر حضرت فاطمہ (رضیت بذالک) اس پر ابو بکرؓ سے راضی ہو گئیں (رضی اللہ عنہما)

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید صد ۵۳۸)

ہمدردی کی دونوں دعویدار ہیں اس بنا پر ان کو اگر اسلام کے دو بازو کہا جائے تو بلا مبالغہ ٹھیک ہوگا اسلئے ان کا باہمی ایسی طرح جنگ وجدل کرنا جس سے انکی اور انکے بعد اسلام کی تھکا فضیحتی ہو کسی طرح قرین مصلحت اور پسندیدہ خدا و رسول و ائمہ اہلبیت نہیں ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ شیعہ سُنی کا اختلاف جو بہت بُری طرح ایک ڈراونی صورت میں نمودار ہو رہا ہے! اگر فریقین اسکو اعتدال پر لانا چاہیں تو زیادہ سے زیادہ حنفی شافعی کے اختلاف کے برابر رہ جائے۔

ناظرین! اسلام کے ہمدردوں کو وہ دن کیسا مبارک ہوگا جس دن شیعہ سُنی کا اتنا بڑا اختلاف جو ہمالہ سے بھی بلند تر شکل دکھلا رہا ہے ایک معمولی صورت میں آجائے۔

ہم چونکہ اُس دن کو دیکھنے کے متمنی ہیں اسلئے اس کی تجویز بھی خود ہی بتاتے ہیں وہ تجویز بھی کوئی ہماری ایجاد نہیں بلکہ فریقین کی مسلمہ ہے۔

شیعہ سُنی میں بالاتفاق یہ اصول مُسلم ہے کہ جو دلیل فریقین میں متفق علیہ ہو اُسے مقدم قبول کرنا چاہئے چنانچہ اصول کلینی کے فاضل مصنف نے ایک مرفوع روائت بھی اسی مضمون کی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

خذوا بالمجمع علیہ فان المجمع علیہ لا ریب فیہ (جلد اول ص۳۰)	متفق علیہ تعلیم کو لیا کرو۔ کیونکہ متفق علیہ میں شک نہیں ہوتا!!

اس قاعدہ مسلمہ کے مطابق فریقین اگر مشترکہ حصہ بے اعتراض چھوڑ دیا کریں تو ہمارے خیال میں نزاع بہت کم رہ جائے۔

خدا کرے فریقین کے ارکان ہماری اس آواز کو سنکر ایک کمیشن مقرر کریں جسمیں نہایت دیانتداری اور اخلاص سے مشترک اور متفق علیہ حصے کو بے داغ قبول کر کے باقی کو میدان بحث بنایا جائے خدا کرے ہم اپنی مراد کو پاویں۔ آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز*

خادم الاسلام

ابو الوفا ثناء اللہ

مصنف رسالہ

طبع دوم

امرتسر

۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء

ضمیمہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وارضاہ

اور

غازی مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ بنصرہٖ

کچھ شک نہیں کہ آج اسلامی دنیا میں اسلامی ممالک پر ایک ماتم شیون اور گریہ وبکا ہے۔ کسی مسلم کا دل برقرار نہیں کیونکہ مایہ ناز ممالکِ اسلامیہ اون کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ اسی حالتِ یاس میں اللہ نے اپنے ایک بندے کو باکمال بناکر کھڑا کر دیا جس نے خداداد ہمت اور ذہانت سے کفار کا مقابلہ کیا۔ اُس کا نام نامی ہے:۔

مصطفےٰ کمال پاشا

پاشا موصوف ترکی فوج کا ایک معمولی افسر تھا۔ جو صوبہ اناطولیہ میں مقیم تھا۔ جب یورپ کی طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ سے مصالحت کی اور مصالحت میں وُہ وُہ کڑی شرطیں لگائیں، جو سلطنت کے حق میں موت کا پیغام بلکہ موت تھیں۔ تو پاشائے ممدوح کی غیرت نے تقاضا کیا کہ ہم ان ذلیل شرطوں پر صلح نہ کرینگے۔ چنانچہ وہ اپنے علاقے میں کھڑا ہو گیا۔ ادھر یورپ کی طاقتوں نے یونان کی پیٹھ ٹھونک کر آگے کر دیا تو یونانیوں نے مسلمانوں پر جو مظالم توڑے خدا ہی اُن کو ان کا بدلہ دیگا۔ گاؤں کے گاؤں۔ قصبوں کے قصبے۔ شہروں کے شہر برباد اور تباہ کر دیئے۔ مساجد تک گرادیں۔ ان کی خونی داستان کا ذکر کتاب "سمرنا میں یونانی مظالم" میں مفصل ملتا ہے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نصرہ اللہ وعساکرہ نے ان مظالم کا مقابلہ کیا

اور خوب کیا۔ یونانیوں کو اتنا مارا کہ ان کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ غازی موصوف نے روتے مسلمانوں کے غم کو کسی قدر مبدل بمسرت کردیا۔ مگر اتنا کہنے سے ہم نہیں رُک سکتے کہ یونان کو ابھی تک صرف اتنا نقصان پہونچا ہے کہ وہ اپنی اوس حد پر واپس آگیا ہے جو اتحادی حکومتوں (انگریزی وغیرہ) نے اس کی مقرر کی تھی۔ اوس سے پیچھے نہیں ہٹا۔ باوجود اس کے تمام اسلامی دنیا میں کمال پاشا کی وہ عزت ہوئی ہے کہ آج کوئی اسلامی لیڈر۔ امیرِ کابل بادشاہِ ایران بلکہ سلطان المعظم کی بھی مسلمانوں کے دلوں میں اتنی عزت نہیں ہوگی۔ سب کے سب غازی ممدوح کے حق میں دل سے دعا کرتے ہیں اللّٰھم ایدہ وعساکرہ بنصرہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غازی موصوف نے بہت کام کیا اور ابھی امید ہے کہ کریگا مگر اس کے مقابلہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعات زیادہ عجیب ہیں۔

جب آپ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو تمام اسلامی علاقہ مفتوحہ میں بغاوت پھیل گئی۔ کوئی تو کھلا مرتد ہوگیا۔ کوئی مانع زکوٰۃ ہوا۔ کوئی مسیلمہ کذاب کا پیرو ہوگیا۔ غرض بقول اسلامی مورخین بغاوت مدینہ کی دیواروں تک آگئی۔ اوس وقت صدیق اکبر ذرا بھی سستی کرتے تو اسلام کا نام ہی دنیا سے مٹ جاتا آپ کھڑے ہوئے اور کمر میں تلوار باندھ کر سب مشکلات پر غالب آئے۔ تمام بغاوت فرو کردی۔ نہ صرف بغاوت فرو کی بلکہ پیش قدمی کرکے دمشق تک فتوحات بھی حاصل کرلیں۔ حالانکہ مدت خلافت کُل اڑھائی سال تھی۔

سوال یہ ہے

کہ ان دونوں خدمات میں کس کی خدمت اسلامی قوم کے حق میں مفید تر ہیں۔ ہمارے خیال میں ہر کوئی بلاتعصب یہی کہیگا کہ صدیق اکبر کی خدمات کے مقابلہ میں غازی مصطفےٰ کی خدمات کا وزن بہت کم ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ سے خالی نہ ہوگا کہ کچھ وزن ہی نہیں۔ پھر ان خدمات کی بنا پر غازی موصوف تعریف اور محبت کے مستحق ہیں اور صحیح طور پر ہیں تو

صدیق اکبر کیوں اون خدمات کی بناپر مستحق تر نہ ہوں۔ اس کا جواب دینا ہر ایک مخلص باایمان کا کام ہے ؎

میرے دل کو دیکھکر میری وفا کو دیکھکر!
بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھکر

تمت

بالخیر

ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسر مصنف کتاب ہذا

کتبخانۂ ثنائی امرتسر کی مشہور و مفید کتب

اجتہاد و تقلید
اس کتاب میں اجتہاد و تقلید پر عالمانہ بحث کی گئی ہے ۸ر

تقلید شخصی اور سلفی
اس میں مسئلہ تقلید (ہر دو نوع) کی تحقیق اور کتاب حقیقۃ الفقہ مصنفہ مولانا انوار اللہ مرحوم حیدرآبادی اور رسالہ الاقتصاد مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی کا جواب ہے

القرآن العظیم
قرآن مجید کے الہامی ہونے کا ثبوت قابل دید ۴ر

الہام
الہام کی تشریح اور آریوں کی تردید قیمت ۳ر

دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن
مولوی عبد اللہ چکڑالوی اہل قرآن کے رسالہ متعلقہ نماز کا مکمل جواب ۴ر

فتوحات اہلحدیث
چیفکورٹ پنجاب ہائیکورٹ بنگال اور انگلستان میں جو فیصلے اہلحدیث کی تائید میں ہوئے انکا مجموعہ ۸ر

حق پرکاش
ستیارتھ پرکاش متعلقہ اسلام کا مکمل جواب آریوں کی تردید عہ ر

تبر اسلام
مہاشہ دھرمپال کے رسالہ ترک اسلام کا مکمل جواب

جہاد وید
وید اور دیگر آریہ کتابوں سے جہاد کا ثبوت ۶ر

خصائل النبی
شمائل ترمذی کا بامحاورہ اردو ترجمہ بچوں کے پڑھنے کے لیے ۔۲ر

ادب العرب
صرف و نحو عربی کو ایسے آسان طرز سے لکھا گیا ہے کہ اردو خوان بھی بلا مدد استاد مطلب سمجھ لے اور کامیاب ہو سکے ۔ نامی گرامی علماء نے پسند فرمایا ہے ۔ ۱۲ر

بحث تناسخ
تناسخ کا ابطال آریوں کی تردید ۶ر

توحید تثلیث اور راہ نجات
اس میں ان تینوں مضامین پر مفصل بحث ہے ۔ ۴ر

مناظرہ نگینہ مشہور و معروف مناظرہ جو بمقام نگینہ آریوں سے ہوا تھا۔ قابل دید ۸/

اہل حدیث کا مذہب فرقہ موحدین کے مسائل کا بیان۔ قابل دید ۸/

السلام علیکم اسلامی سلام کے احکام مسلمانوں کے قابل دید ۸/

میل و ملاپ اتفاق کا سبق دینے والا رسالہ ۵/

اسلامی تاریخ آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات مبارکہ بچوں کے مفید ۲/

حقوق الزوجین نکاح و طلاق کے مسائل بیوی خاوند کے حقوق کا بیان ۲/

حدوث وید قدامت وید کا ابطال وید سے آریوں کی تردید میں ۲/

الہامات مرزا مرزا قادیانی کے الہامات کی مفصل تردید معہ جواب آئینہ حق نما ۱۲/

فاتح قادیان مرزا قادیانی کی فیصلہ کن دعا بحق ابوالوفا پر لدھانوی مباحثہ جس پر فیصلہ ثالث تین سو روپیہ اسلامی مناظر کو ملا۔ ۶/

نکاح مرزا مرزا قادیانی کی الہامی نکاح والی پیشگوئی کی تردید ۲/

تاریخ مرزا مرزا قادیانی کی زندگی کے حالات از ابتدا تا انتہا قابل دید ہے ۸/

مرقع قادیانی مرزا قادیانی کے خیالات و مقالات کا عجیب و غریب جواب ۶/

شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان

اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ جارج پنجم شاہ انگلستان کا دہلی دربار میں تشریف لانا خدائی حکمت میں مرزا قادیانی کی تردید کرتا تھا ۳/

شریعت و طریقت اس میں ہر دو مضمون پر عالمانہ بحث کی گئی ہے ۲/

عقائد مرزا عقائد مرزائیہ کا صاف صاف فوٹو ۱/

تمام کتابوں کے ملنے کا پتہ: **منیجر دفتر اہل حدیث امرتسر** (پنجاب)

فانکحوا ما طاب لکم من النساء

Dedicate to Arya Youngman

نکاح آریہ

اس رسالہ میں آریہ دھرم کے احکام متعلقہ نکاح لکھکر

نوجوان آریوں کی نذر کیا گیا

امید ہے نوجوان آریہ اسے بغور مطالعہ کر کے معقول پسندی کا ثبوت دینگے

مصنّفہ

جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل)

امرتسری مصنف تفسیر ثنائی وغیرہ

بفرمائش خاکسار عطاء اللہ منیجر دفتر اخبار اہلحدیث امرتسر بلغ

برقی مطبع روز بازار ہال بازار امرتسر میں باہتمام شیخ غلام یسین پرنٹر طبع ہوا

بار اول

قیمت

فہرست مضامین کتاب ہذا

نکاح آریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ وآلہ اجمعین

نوجوان آریو!
پہلے مجھے دیکھ لو

دنیا میں انسان متمدن پیدا ہوا ہے۔ متمدن کے معنے ہیں اپنے بنی نوع سے ملاپ رکھنے والا۔ ایک جگہ رہنے سہنے والا۔ اسکے رہنے سہنے کی کئی ایک شاخیں ہیں ماں باپ۔ بھائی بند۔ دوست آشنا۔ سب سے تعلق اسکے تمدن کی تفصیل اور تفسیر ہے۔ مگر اس تمدن میں سب سے بڑی قابل لحاظ وہ شاخ ہے جس کا نام نکاح ہے۔ کیونکہ ماں باپ بننا' بھائی بند کہلانا' بلکہ دنیا میں انسان کا وجودی جامہ پہننا اسی اور صرف اسی شاخ کے ثمرات ہیں۔

مذہب چونکہ اُنہی تعلقات کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے جو انسان کو فطرتاً پیش آتے ہیں۔ اسلئے مذہب خاصکر الہامی مذہب کا فرض اولین ہے کہ وہ ان تعلقات خاصکر نکاح کے تعلق کے متعلق بہترین ہدایات جاری کرے۔ جو انسانی طبیعت کے مطابق ہوں۔

یہ ایک ایسا اصول ہے کہ مخالف و موافق سب اس کو صحیح مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ آریہ سماجی بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا

ضروری ہوا کہ اس بارہ میں آریہ دھرم سے احکام نکاح بتائے جائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس حد تک وہ انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔

نوٹ نمبر ۱ آریوں کا دعوےٰ اور نہایت زبردست دعوےٰ ہے کہ کل احکام بلکہ کل علوم کا مخزن وید ہے۔ مگر عملی طور پر وہ اپنے گرو سوامی دیانند کی تصنیفات ہی کو پیش کیا کرتے ہیں۔ اس لئے سوامی جی کی کسی تصنیف سے حوالہ دینا ہر ایک آریہ کے نزدیک گویا آریہ دھرم کا حوالہ ہے۔

نوٹ نمبر ۲ اس رسالہ میں ہمارے زیر نظر چند اُمور ہونگے (۱) نکاح کی ضرورت اور غرض (۲) نکاح کس عمر میں ہونا چاہئے (۳) نکاح کس قسم کی عورت سے ہو (۴) نکاح کی اقسام (۵) نکاح کرنے کا طریق (۶) میاں بیوی کے ملاپ کا طریق (۷) نکاح دائم۔ لازم غیر منفک عقد ہو یا قابل فسخ (۸) نکاح بیوگان۔

آریہ سماجیوں کا دعوےٰ ہے اور قابل قدر دعوےٰ ہے کہ دھرم سچائی کا معیار قانون قدرت ہے۔ اس لئے ہم ان مسائل میں قانون قدرت ہی کو معیار بنا دینگے جو بالکل بے ریا غیر جانبدار گواہ ہے۔ یہی معنے ہیں حکم قرآنی کے

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ

(رب ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے)

آریوں کا پرانا خادم ابوالوفاء ثناء اللہ	طبع اوّل	امرتسر صفر ۱۳۴۴ھ ستمبر ۱۹۲۵ء

نکاح کی ضرورت اور غرض

قانون قدرت ہمارے سامنے ہے کہ انسان بلکہ ہر حیوان کی زندگی کی دو منزلیں ہیں۔ ایک وہ منزل جسکو نابالغی کی عمر کہتے ہیں۔ دوسری وہ منزل جسے بلوغت کہتے ہیں۔ ان دونوں میں امتیاز کیا ہے؟ دونوں میں انسان بلکہ حیوان بھی کھاتا ہے، پیتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے۔ پھر وہ کونسی تمیز ہے جسکی وجہ سے وہ ادنےٰ درجہ سے نکلکر اعلےٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ پہلے سوسائٹی اور قوم کا ممبر نہیں گنا جاتا۔ کسی معاہدہ کا پابند نہیں قرار دیا جاتا۔ قانون شاہی اُس پر جاری نہیں ہوتا۔ مگر بالغ ہوتے ہی سب کچھ ہو جاتا ہے۔ وہ امتیاز کیا ہے؟ وہ یہ ہے اور صرف یہ ہے کہ اُس میں اُن دو باتوں (کھانے پینے) کے علاوہ تیسری بات پیدا ہو جاتی ہے جسکا نام قوتِ شہوانیہ یا طاقتِ مردانہ ہے۔ یعنی اس درجہ پر پہنچکر مرد بالغ کو اپنے جوڑے (عورت) کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے اور عورت کو مرد کی خواہش۔ یہ تمیز انسان ہی تک محدود نہیں بلکہ جملہ حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نکاح کی ضرورت اُس تیسری خواہش کی وجہ سے ہے۔ اور غرض اُس ضرورت کا پورا کرنا ہے اور بس۔ مگر آریہ سماج کا اصول ہے کہ نکاح کی ضرورت اولاد پیدا کرنا ہے چنانچہ اُن کے گرو سوامی دیانند جی فرماتے ہیں

"کامل طور پر برہمچریہ (تجرد) کے عہد کو پورا کر چکنے پر ودّیا اور بل (علم اور طاقت) حاصل کر کے سب طرح نیک گن کرم سبھاو (اچھی عادات) میں مطابقت پیدا کر کے بڑے پریم سے مندرجہ ذیل پرمان کے مطابق سنتان پیدا کرنے اور اپنے ورن (ذات) کے بموجب اعلےٰ کام کرنے کیلئے استری پُرش (عورت مرد) کا جو ہمبند (تعلق) ہوتا ہے اُسے وواہ (نکاح) کہتے ہیں۔" (ترجمہ سنسکار ودی مصنفہ سوامی جی صفحہ ۳۸۳)

اس حوالہ کے بموجب نکاح کی تعریف میں یہ داخل ہے کہ اولاد پیدا کرنے کی نیت سے تعلق پیدا کرنے کا نام نکاح ہے۔

نوٹ | یہ تعریف اسلئے کی گئی ہے کہ نیوگ کو بھی شامل ہو۔ کیونکہ نیوگ بھی سوامی جی اور آریوں کے نزدیک نکاح کی ایک قسم ہے۔ جس میں عارضی تعلق کے ساتھ اولاد پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بالفاظ دیگر | نکاح سے غرض ہی اولاد پیدا کرنا ہے۔ حالانکہ قانون قدرت ہم کو بتارہا ہے کہ جن حیوانات کو اولاد سے کوئی غرض بلکہ مطلب ہی نہیں ہوتا ان میں بھی نر مادہ کا ملاپ ہوتا ہے۔ وہ کیوں ہوتا ہے؟ اُسی تیسری خواہش کی بنا پر جو قادر مطلق نے اُن میں پیدا کی ہے۔ قرآن مجید نے اس اصول کو فلسفیانہ طریق پر بڑی خوبی سے بتایا ہے۔ ارشاد ہے۔

جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا

(خدا نے نر کی جنس سے مادہ پیدا کی تاکہ اُس کے ساتھ (تجرد کی وحشت دور کرکے) اُنس حاصل کرے)

پیدائش نسل کو گو بناء نکاح تو قرار نہیں دیا تاہم ثانوی درجہ میں (مفاد کی صورت میں) رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

(خدا نے جو اولاد تمہاری قسمت میں لکھی ہے بوقت جماع تم اُسکی تلاش کیا کرو)

اسکی مثال | کوئی شخص بہ نیت تجارت پردیس میں جاتا ہے۔ مال اسباب فروخت کرکے واپسی کے وقت اپنے بچوں کیلئے تحفہ کے طور پر کچھ سوغات لئے آتا ہے۔ بچوں کی نظر میں اس سفر سے مقصود ہی سوغات کی چیزیں ہیں۔ مگر اہل عقل اور خود فاعل کے نزدیک یہ مقصود نہیں بلکہ مقصود کسب معاش ہے۔

اس مثال کے مطابق مسلمانوں کو بھی حکم ہے کہ اولاد کی خواہش کرے۔ لیکن نکاح سے مقصود اولاد نہیں بلکہ بطور سوغات کے درجہ ثانیہ میں (مفاد) ہے۔

مہاشہ سجنو! اس مثال کی تصدیق میں قانونِ قدرت کی مذکورہ بالا شہادت ذہن میں رکھکر آگے چلو۔

نتیجہ کسی آریہ سماجی کی خدا خدا کر کے ۲۵ سال کی جوانی میں شادی ہوئی۔ قانون قدرت کے ماتحت اُسی روز اُسکی استری بامراد ہوگئی تو ایک سال تک استری سے ملاپ نہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ سوامی دیانند خود ہدایت فرماتے ہیں۔

"جب مہینہ بھر میں حیض نہ آنے سے حمل کے ٹھیرنے کا یقین ہو جائے تب سے ایک برس تک عورت مرد ہمبستر کبھی نہ ہوں" (ستیارتھ باب ۴ ص ۴۳)

یہ بھی اُس صورت میں کہ حسب ہدایت سوامی جی دودھ پلانے کے لئے دایہ رکھی جائے (ستیارتھ باب ۴ ص ۴۵) اور اگر دایہ رکھنے کا مقدور نہیں جیسے آجکل عام طور پر فی ہزار نو سو نوّے خاندانوں کی حالت ہے۔ یا دایہ ملتی نہیں تو لاچار والدہ ہی بچہ کو دودھ پلائیگی۔ چونکہ بچہ دو سال تک دودھ پیتا ہے۔ اس مدت تک خاوند کو بیوی سے ملنا اُسی دلیل سے منع ہے جس دلیل سے ایام حمل میں منع کیا ہے۔ یعنی بچہ کی صحت خراب ہونا۔ کیونکہ ایام دودھ میں جماع کرنے سے دودھ میں ایک غیر معمولی گرمی پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے بسا اوقات بچہ دودھ پیکرٹ کر دیتا ہے۔ اور اگر اس مدت میں حمل ثانی ہو جائے تو طبی شہادت ہے کہ دودھ بگڑ جاتا ہے جو شیر خوار بچہ کی صحت کو مضر ہوتا ہے۔

نتیجہ صاف ہے کہ یوم حمل سے تا ترک شیر بلحاظ نسل جماع کرنا بیکار۔ بلکہ موجودہ اولاد کے حق میں مضر ہے۔

سماجیو! تمہارے سوامی کا دعوٰے تو نیچری ہونے کا ہے مگر وہ حکم جو دیتے ہیں وہ اَن نیچرل (خلاف قانون قدرت) کیوں ہوتے ہیں۔ غور تو کرو بچے کے دودھ کیلئے قدرت نے اُسکی ماں کو پیدا کیا ہے۔ اسی لئے بچہ

پیدا ہونے سے پہلے پستانوں میں دودھ نہیں ہوتا۔ مگر پیدا ہوتے ہی (گنگا جمنا
کی طرح) دودھ دریا بہا دیتا ہے۔ جب بچہ اتنی مدت کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ دانتوں
سے چبا کر اناج کھا سکے تو دودھ بھی خشک ہو جاتا ہے۔ اس قدرتی فعل سے
صاف ثابت ہوتا ہے کہ دودھ پلانے کی خدمت خدا نے بچہ کی ماں ہی کے
سپرد کی ہوئی ہے۔ اللہ اللہ قرآن کی فلسفیانہ تعلیم دیکھئے کیسے صاف لفظوں
میں ارشاد ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ

(جو مائیں اپنے بچوں کو پوری مدت دودھ پلانا چاہیں۔ وہ دو سال تک (دودھ پلائیں)
قرآن میں کیا ہی خوبی ہے کہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں حکیمانہ احکام ملتے
ہیں۔

اے قرآن! ؎ کیا جانیں تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہی تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہان میں کوئی حسیں نہیں ؟

سماجی مترو! اپنے نیم دھرم سے کہنا اور اکیلے بیٹھکر سوچکر کہنا اتنی
مدت مدید تک دو جوانوں کا جدا رہنا فطرت جوانی کے مطابق ہے؟ جنکے
جذبات محبت کی یہ تصویر ہو ؎

الفت کے یہ مزے ہیں کہ دونوں ہوں بیقرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی۔

نکاح کس عمر میں ہونا چاہئے

گذشتہ عنوان کے بعد غالبًا اس عنوان کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جس صورت میں ہم دونوں فریقوں کا مذہب بتا آئے کہ آریوں کے نزدیک نکاح کی ضرورت اولاد پیدا کرنا ہے۔ اور اسلام اور قانون قدرت کے نزدیک خوبصورتی سے قضاء حاجت کرنا اصلی مقصود ہے تو اب یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ نکاح اسوقت ہوگا جب یہ ضرورت ہو۔ مگر آریوں کے گرو نے اپنے قول کے خود خلاف کیا کہ نکاح کی عمر اس سے بہت پیچھے بتائی۔ یعنی مرد کیلئے ۲۵ سال سے ۴۸ سال تک عمر بتائی اور عورت کی ۱۶ سے ۲۴ سال تک۔ چنانچہ اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

"سولھویں برس سے لیکر چوبیسویں برس تک لڑکی۔ اور پچیسویں برس سے لیکر اڑتالیسویں برس تک مرد کا شادی کا وقت افضل ہے۔ اس میں جو سولہ[۱۶] اور پچیس[۲۵] میں بیاہ کرے تو ادنےٰ درجہ کا۔ اٹھارہ[۱۸] بیس[۲۰] برس کی عورت تیس[۳۰] پینتیس[۳۵] یا چالیس[۴۰] برس کے آدمی کا متوسط۔ چوبیس[۲۴] برس کی عورت اور اڑتالیس[۴۸] برس کے مرد کا بیاہ ہونا افضل ہے۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۲۰)

مطلب یہ ہے کہ سوامی جی کے نزدیک اعلےٰ درجہ کی شادی کا وقت یہ ہے کہ عورت چوبیس سال کی اور مرد اڑتالیس سال کا ہونا چاہئے۔ حالانکہ (بقول اطبا) قانون قدرت یہ ہے کہ انسان کی ترقی اور نمو کی حد زیادہ سے زیادہ تیس سال تک ہے۔ اُس سے بعد تیس سے چالیس سال تک وقوف یعنی ٹھیراؤ ہے نہ بڑھے نہ گھٹے۔ چالیس سے اوپر تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ مگر سوامی جی اڑتالیس سال کی عمر میں شادی کرنے کو افضل فرماتے ہیں۔

سماجی دوستو! سوامی جی کا پرمان سنتے ہو کہ بلوغت انسانی تو

ہو جائے سولھویں سترھویں سال میں اور شادی کریں اڑتالیس سال یا کم سے کم پچیس سال گذار کر۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تم کو اڑتالیس سال مجرد رکھا جائے۔ اور ایسے وقت میں تمہاری شادی کا انتظام کیا جائے جو پنجابی مثل تم پر صادق آئے کہ

"بیوی چھیج جوگی۔ میاں قبر جوگا"۔

(یعنی بیوی تو سیج کے لائق اور میاں قبر کے لائق)

ہمارا جواب دینے میں جلدی نہ کرنا ہم تمہیں سوامی جی کا قول سناتے ہیں جس سے تم کو اڑتالیس سال کی عمر کا حال معلوم ہو جائیگا۔ سوامی جی لکھتے ہیں۔

"سولھویں برس سے آگے انسان کے جسم کے سب دھاتوؤں اجزاء کی ترقی اور پچیسویں برس میں شباب کا آغاز ہوتا ہے۔ اور چالیسویں برس میں سب اعضائے بدنی تکمیل ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے آگے تھوڑی دھاتو (ویریہ) (نطفہ) کی کمی ہونے لگتی ہے۔ یعنی چالیسویں برس جب کامل جوانی ہو کر تمام اعضا مکمل ہو جاتے ہیں تو کھان پان سے جو ویریہ پیدا ہوتا ہے وہ تھوڑا تھوڑا کم ہونے لگتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر جلدی بھی شادی کرنی ہو تو کنیا (لڑکی) سولہ برس کی اور ور (ناکح) ضروری طور پر ۲۵ سال کا ہونا چاہیئے درمیانہ برہمچریہ یہ ہے کہ لڑکی ۲۰ سال کی اور پُرش چالیس[۴] سال کا ہو اور سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ استری چوبیس[۲۴] برس کی اور مرد ۴۸ برس کا ہو۔ جو اپنے خاندان کی ترقی اور سنتان کی اُنتی چاہتے ہیں۔ اور جن کی خواہش ہے کہ وہ دراز عمر۔ بلوان (طاقتور) عقلمند۔ نیک اور مستقل مزاج سنتان (اولاد) حاصل کریں۔ وہ سولھویں سال سے پہلے کنیا۔ اور ۲۵ سال سے پہلے بالک کی کبھی شادی نہ کریں۔ یہی سب سے بڑی اصلاح۔ اعلےٰ درجے کی خوش قسمتی اور سب سے بڑی ترقی کا نشان ہے۔ کہ مندرجہ بالا عمر تک برہمچریہ رکھکر اپنی سنتان کو اعلےٰ تعلیم دیں کہ جس سے اچھی سنتان پیدا ہو"۔ (سنسکار ودھی صفحہ ۲۲۱)

مہاشے سجنو! حکما تو بالاتفاق انسان کا نمو (بڑھنا) تیس سال تک کہتے ہیں۔ لیکن سوامی جی چالیس تک بتاتے ہیں۔ مگر چالیس کے بعد تنزل سوامی جی بھی مانتے ہیں۔ بہر حال جس شادی کو سوامی جی نے افضل ٹھیرایا وہ مرد کی ڈھلویں عمر میں ہے۔ سابقہ عمر کا تجربہ انسانی قوٰے میں تنزل پیدا ہونے سے مانع نہیں ہو سکتا۔

ہوش کرو سائنس اور فلسفہ کا دم بھرنے والو! اولاد کی نیت سے شادی کرنا اسی کا نام ہے؟ کہ اڑتالیس سال تک کی جہاں جوانی ضائع کر دیجائے۔ اور جب طاقت جواب دینے لگے تو مہاشہ جی کو نکاح کی سوجھے۔ جس پر یہ کہنا معقول ہو کہ ؎

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

اور بتاؤ دنیا کی مردم شماری میں سلسلہ پیدائش اموات کو دیکھو۔ کتنے لوگ پچیس سال تک کے مرتے ہیں۔ اور کتنے اڑتالیس سال تک پہنچنے سے پہلے چل دیتے ہیں۔ تو اب بتائیگا کہ پچیس یا اڑتالیس سال تک جتنے اشخاص فوت ہو جائینگے اُن کی نسل باقی رہنے کا کیا انتظام؟

تعجب ہے اِدھر تو آریہ سماجی کہتے ہیں نکاح سے غرض ہی یہ ہے سنتان (اولاد) پیدا ہو۔ یعنی حفاظت اور ترقی نسل انسانی کرنا مقصود اصلی ہے اُدھر اتنی غفلت ہے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی اڑتالیس سال یا پچیس سال تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجاتے ہیں۔ اُن کی نسل کو بالکل قطع کیا جاتا ہے اسی لئے وقت نکاح جو

اسلام نے بتایا ہے کہ بلوغت حاصل ہونے پر جب تمہاری ایک صنف (مرد یا عورت) کو اپنے جوڑے سے رغبت ہو وہی وقت نکاح کا ہے۔ غور سے پڑھو۔ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (خدا نے مرد کیلئے بیوی پیدا کی تاکہ اُسکے ساتھ اُنس پائے)۔

بات بنانے والے بھی بلا کے پرکالے ہوتے ہیں۔ جنکی بابت کہا گیا ہے

"پیراں نمے پرند و مریداں ہمے پرانند"

سوامی دیانند جی کی دور از عقل تعلیم کو اُن کے چیلے بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ چنانچہ سوامی شردھانند (بصورت لالہ منشی رام[۱] جی) لکھتے ہیں۔

"بواہ کس عمر میں ہونا چاہئے؟ اس پر قریبًا تمام دنیا کے وِدوان متفق رائے ہوتی چلے جا رہے ہیں۔ شری کیشب چندر سین نے اپنے زمانہ میں بہت سے عالموں کی رائیں اس بارہ میں جمع کی تھیں۔ اُن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شادی کے بارے میں لڑکے اور لڑکی کی عمر کے متعلق جو رائے سوامی جی نے دی ہے قریبًا وہی تمام ڈاکٹروں اور وِدوانوں کی رائے ہے۔

سوامی جی کی رائے میں سادھارن منشوں کو ۲۵ برس اور سادھارن استریوں کو ۱۶ برس کی عمر میں بواہ کرنا چاہئے۔ ان سے جو زیادہ اُتم ہوں۔ اُن کی شادی ۳۶ اور ۱۸ برس کی عمر میں ہونی چاہئے۔ اور جو اُن سے زیادہ اُتم ہوں وہ ۴۸ اور ۲۴ برس کی عمر میں بواہ کریں۔ مگر جو اسادھارن (غیر معمولی) اور سب سے اُتم منش ہوں وہ تمام عمر بواہ نہ کر کے سنسار کا اُپکار کر سکتے ہیں۔" (سنسکار وِدھی صفحہ ۱۱۶)

سماجیو! ہمارا گمان ہے کہ تمہارے دشمن (دیو سماجی وغیرہ) چاہتے ہونگے کہ تم اس تعلیم پر عمل کرو تاکہ تمہاری نسل جلد ختم ہو۔ کچھ تو اڑتالیس سال تک پہنچیں اور کچھ عمر بھر بواہ نہ کر کے سنسار کا اُپکار (بھلا) کرنے میں۔ مگر ہم تو تمہاری زندگی اور تمہاری نسل کا بقا چاہتے ہیں۔ کیوں؟ ؎

خدا ترا بتِ کافر دراز سن تو کرے
جفا کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

نوٹ قرآن مجید کی سابقہ آیت میں جو عورت مرد کے ملاپ کا فلسفہ بتایا ہے

---

[۱] سوامی شردھانند سادھو بننے سے پہلے لالہ منشی رام جالندھری تھے ۱۲ منہ

اُسی کی تائید دوسری آیت میں یوں آئی ہے

خَلَقَ لَکُم مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (۲۱/۷)

(خدانے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن کے ساتھ اُنس حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور شفقت پیدا کی۔ (تاکہ تم اچھی طرح نباہ کرو)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ۔ الآیۃ۔ (پ۴ ع۱۳)

"یتیموں کو نابالغی حالت میں عقل کے کاموں میں آزمایا کرو۔ یہانتک کہ جب وہ وقت نکاح کو پہنچیں پھر اُن میں کاروبار کی سمجھ دیکھو تو اُن کے مال اُنہیں دیدیا کرو۔"

اس آیت میں بلوغت نکاح تک یتیم کی حد رکھی ہے۔ اور بلوغت نکاح وہی ہے جس کو عرف عام میں بلوغت جوانی کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے ایک مقام میں اسی عرف عام کے مطابق بجائے بلوغت نکاح کے بلوغت جوانی بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ (پ۸ ع۶)

(یتیموں کے مال کے نزدیک بھی مت جاؤ۔ یہانتک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچیں)

یہ آیات سب ملا کر دیکھیں تو مسئلہ بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے نکاح کا وقت وہی بتایا ہے جس میں قانون قدرت فریقین میں اسکی ضرورت پیدا کر کے دونوں کو اس قابل بناتا ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تعلیم نیچرل اصول کے موافق ہے اور آرین تعلیم مخالف۔ اسی لئے قرآن مجید بزبان حال کہتا ہے ؎

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں
اُن میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہیں خودکام بھی ہیں

سماجی مترو! "جہاں سائنس پہنچیگا دیدک جھنڈا وہاں پہلے لہرائیگا"۔

کہنے والو! اپنے جھنڈے کو گرنے سے سنبھالو۔ ~

قدم رکھنا سنبھل کر اس جگہ پر آریہ صاحب!
یہاں پگڑی اُچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

شردھانندی مشورہ

لالہ منشی رام حال سوامی شردھانند نے آریہ نوجوانوں کو ایک مشورہ دیا ہے جو قابل شنید ہے۔

"ہمارے دیش کے نوجوان غیر معمولی ترقی اسلئے نہیں کر سکتے کہ تعلیم ختم کرتے ہی اُنکی شادی ہو جاتی ہے۔ ہماری رائے میں جو بہت اچھے لڑکے ہوں اُنکی شادی چھتیسویں یا اڑتالیسویں برس میں ہونی چاہئے۔" (اُردو سنکار ودھی صفحہ ۱۱۷)

ینگ مین سماجیو! "پانی اپنا راستہ آپ کرلیگا"۔ اس نصیحت پر عمل کرکے دیکھ لو۔

نکاح کس قسم کی عورت سے ہو اور کس سے نہ ہو

آریوں کے گرو سوامی دیانند جی نے اس بارے میں جو ہدایت کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

"جو لڑکی ماں کے خاندان کی چھ پشتوں میں نہ ہو اور باپ کے گوتر (ذات) کی نہ ہو اُس سے شادی کرنی مناسب ہے۔" (ستیارتھ باب ۴ ص ۶)

ابھی بہت کچھ استثناء باقی ہے۔ یعنی گوتر اور خاندان کی نفی کے بعد بھی نفیات ابھی باقی ہیں جو قابلِ دید و شنید ہیں۔ سوامی جی لکھتے ہیں۔

"اس قسم کی عورت سے شادی نہ کرے نہ زرد رنگ والی نہ ادھک، مرد سے لمبی چوڑی نہ زیادہ طاقتور نہ بیمار نہ وہ جس کے جسم پر بالکل بال نہ ہوں نہ بہت بال والی نہ بکواس کرنیوالی نہ بھوری آنکھ والی۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۹)

اس نہی (منع) کی فلاسفی کا قائل ہونا تو چونکہ اس پر موقوف ہے کہ ان اُمور

کے علم کا ذریعہ معلوم ہو سکے - یعنی کوئی آریہ اگر ہم کو بتادے کہ مرد سے لمبی اور چھوٹی کا علم بغیر دونوں کے برابر ملے یا معانقہ کئے صحیح طور سے کیسے ہو سکتا ہے مانا کہ کسی درمیانی شخص کے ذریعہ سے معلوم ہو بھی جائے تو طاقت کی مساوات کیسے معلوم ہو سکتی ہے - جبتک دونوں باہمی کشتی نہ لڑیں - اگر یہ تجویز (کشتی نمائی کی) آریہ سماج کو پسند ہو تو حرج نہیں - اس مطلب کیلئے ایک ایجنسی کھل سکتی ہے ورنہ ہم کو ان دونوں (ناکح ومنکوحہ) کی توازن طاقت کا ذریعہ بتایا جائے مہربانی کرکے یہ بھی بتایا جائے کہ آریہ خاندانوں میں سے کس کس خاندان نے اس پر عمل کیا ہے ؟ اور جو نہیں کیا تو کیوں ؟

اسکی فلاسفی

زمانہ ترقی علم کا ہے خاصکر آریہ سماج کا دعوٰی ہے کہ سائنس ویدک دھرم کا نوکر ہے - اس لئے ہم بھی آریہ سماج کے اس دعوے کی قدر کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کیا نقصان یا خرابی ہے - یا کسی اصول فلسفہ یا سائنس کے خلاف ہے - آخر یورپ اور چین وجاپان میں زرد رنگ اور بھوری آنکھوں والی عورتیں ہیں - اور وہ شادیاں بھی کرتی ہیں - اُن کی شادیوں میں وہی برکت ہوتی ہے جو ہندوستان کی آرین استریوں میں ہوتی ہے - وہ بھی ہندوستانی عورتوں کی طرح صاحب اولاد ہوتی ہیں - پھر آخر ان میں خرابی ہے تو کیا ؟

سماجی مہاشو ! تم نیم دھرم سے بتا سکتے ہو کہ تمہاری استریاں قد میں اور طاقت میں تمہارے برابر ہیں ؟ اگر ہاں میں جواب دو تو یہ بھی بتانا کہ قد کی پیمائش اور طاقت کا اندازہ نکاح سے پہلے تم نے کیسے کیا تھا ؟

لطیفہ کیا اچھا سین (نظارہ) ہوتا ہوگا جب شادی سے پہلے استری پُرش بذریعہ معانقہ کے اپنا قد ناپتے ہوں - لیکن جونہی کہ بدقسمتی سے استری پُرش کے قد میں تھوڑا سا فرق ہوا اور وہ اس امتحان میں برابر نہ اُترے تو غالباً دونوں کے منہہ پر یہ شعر ہوگا ؎

جو آرزو ہے اُس کا نتیجہ ہے انفعال
اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

نوٹ آریہ سماجی کہا کرتے ہیں کہ ویدک دھرم عالمگیر ہے۔ یعنی ساری دنیا کے لئے ہے۔ ہم پوچھتے ہیں اگر آریہ دھرم یورپ میں پھیل جائے تو وہاں کے آریہ فرنگی کن عورتوں سے نکاح کریں۔ کیونکہ وہاں کی لیڈیاں تو قریباً ساری اس فہرست میں آتی ہونگی۔ غالباً شادی کرنے کیلئے ہندوستان سے استریاں منگائینگے۔ یا یہاں آکر شادیاں کرینگے۔ اس صورت میں وہ بیچاریاں کہاں جائینگی۔

اس ممنوعہ فہرست کے علاوہ ابھی ایک فہرست اور بھی ہے جو درج ذیل ہے:

منحوس نام والی "رکش یعنی اشونی۔ بھرنی۔ روہنی دیتی۔ ریوتی بائی۔ چتری وغیرہ ستاروں کے نام والی۔ تلسیا۔ گیندا۔ گلابی۔ چمپہ۔ چمیلی وغیرہ پودوں کے نام والی۔ گنگا جمنا وغیرہ ندی نام والی۔ چانڈالی وغیرہ نیچ نام والی۔ بندھیا۔ ہمالیہ۔ پاربتی وغیرہ پہاڑ نام والی۔ کوکلا۔ مینا وغیرہ پرند نام والی۔ ناگی۔ بھجنگا وغیرہ سانپ نام والی۔ مادھو داسی۔ میراں داسی وغیرہ خدمتگار نام والی۔ اور بھیم۔ کماری۔ چنڈکا۔ کالی وغیرہ ڈراؤنے نام والی لڑکیوں کے ساتھ شادی نہ کرنی چاہئے کیونکہ یہ نام خراب اور دیگر اشیاء کے بھی ہیں۔"

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص۱۰)

ناظرین! غور فرمائیں۔ کیا ہی معقول فلاسفی ہے۔ پھولوں کے نام منحوس دریاؤں کے نام منحوس۔ سانپوں کے نام منحوس۔ حالانکہ بڑے نازک مزاج شاعر معشوق اور محبوب کو پھولوں کے ناموں سے موسوم کیا کرتے ہیں۔

ایک سوال مہاشے سجنو! جی چاہتا ہے کہ ایک سوال تم سے حل کرالیں مہربانی کرکے بُرا نہ مانئیگا۔ سوامی جی کی طرح ہم اپنا بیان بے دلیل نہیں چھوڑینگے۔ یہ تو بتاؤ کہ ان ناموں کو جو سوامی جی نے منحوس بتایا ہے کیا یہ ویدوں کا ارشاد ہے یا کسی سمرتی میں آیا ہے؟ اچھا اگر کسی

مرد کا ایسا نام ہو جن ناموں کی وجہ سے ان ناموں والی عورتوں کو ممنوعہ فہرست میں لیا گیا ہے تو کیا اُن مردوں سے بھی دوسری استریاں نکاح نکریں یا اُن کیلئے نحوست نہیں؟

ابھی ایک سوال اور ہے مہربانی کر کے وہ بھی سُن لیجئے - منوجی اپنی سمرتی کے باب ۲ فقرہ ۳۱ میں لکھا ہے

"شُودر کے نام میں نند یعنی تحقیر شامل کرنا چاہئے"

اس حکم کے ماتحت جن ناموں میں نند ہو - جیسے دیانند - شردھانند - درشنانند - ودیکانند - پرمانند وغیرہ یہ حقیر یعنی بقول منوجی ذلیل ناموں والے بھی آرین استریوں کے نکاح سے ہمیشہ کیلئے محروم رہینگے یا ان کیلئے کوئی خاص حکم ہے؟ وید منتر یا سمرتی شلوک سے جواب دیجئیگا -

لطیفہ ہمارے ایک دوست خانزادہ غلام احمد خان صاحب سوداگر ہنگو ہیں - اُنہوں نے کسی ایسے شخص کے حق میں ایک لطیف فارسی رباعی لکھی ہے جسکے نام کے آخر میں نند (بصورت جمع فارسی) ہو - اور شروع میں لفظ شُر ہو - چنانچہ وہ رباعی یوں ہے ؎

ہر آں کو بشر ابتدائش بود | بجمع اندراں انتہائش بود
چو زیں گونہ باشد بشر بودنش | فشرم کثیر بشر بودنش

قرآنی تعلیم قرآن مجید کیا ہی حکیمانہ تعلیم دیتا ہے - دیکھو تو نکاح کے بارے میں ارشاد ہے - فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ - (پ ۴ ع ۱۲)

(محرمات عورتیں چھوڑ کر) جس عورت کو تم بخوشی پسند کرو اُس سے نکاح کر لیا کرو)

اس میں کسی کے بتانے یا فہرست سنانے کی حاجت کیا - اسلئے کہ نباہ تو میاں بیوی نے کرنا ہے - اور یہ تو ایک کھُلی نیچرل صداقت ہے ؎

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے لگنے کا ڈھنگ اور ہی ہے

ایک اور ممنوعہ فہرست دو فہرستوں کے علاوہ ایک فہرست اور بھی ہے جس کی بابت سوامی کا حکم بہت مدلل بدلائل درج ذیل ہے۔

"نزدیکی ملک اور نزدیکی رشتہ داروں میں شادی نہ کریں" اس فہرست کی تفصیل نہیں بتائی کہ نزدیکی ملک سے کتنی نزدیکی مراد ہے۔ دس میل بیس میل یا پچاس سو میل۔ ہاں رشتہ کی دوری تو بتادی

"ماں کی چھ پشتیں اور باپ کا گوتر چھوڑ کر نکاح کرے" (صفحہ ۱۲ کتاب ہذا)

مگر دوری مسافت نہیں بتائی۔ بہر حال جو کچھ سوامی جی نے فرمایا وہ ہم نے نقل کر دیا چونکہ یہ حکم بظاہر طبائع کے بالکل خلاف تھا کہ نزدیک کا رشتہ چھوڑ کر دور تلاش کریں اسلئے سوامی جی نے اس حکم کی آٹھ دلیلیں بیان فرمائیں۔

"**اوّل** جو بچے بچپن سے نزدیک رہتے ہیں۔ باہم کھیل لڑائی اور محبت کرتے۔ ایک دوسرے کی خوبی۔ نقص۔ عادت یا بچپن کی بدچلنی کو جانتے ہیں۔ اور ننگے بھی ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اُن کی باہم شادی ہونے سے محبت کبھی نہیں ہو سکتی"

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص)

جواب اس دلیل سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی یا لڑکا متنفر ہو اور اُنکا ملاپ جبراً کرایا جائے تو نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ بالکل صحیح ہے۔ مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ دور دراز رشتہ کیا جائے۔ کیا نزدیک رشتہ میں اگر کا ہے خرابی ہو تو بہتری نہیں ہے؟ کہ لڑکے نے لڑکی کو اور لڑکی نے لڑکے کو دیکھا بھالا ہوا ہے محلہ داری ہے۔ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اُن کے ملاپ میں کیا نقصان؟ ہاں نقصان خلاف طبع میں ہے۔ سو ایسا نہ کریں۔ ورنہ جس صورت میں نزدیکی میں نتیجہ بد پیدا ہوتا ہے۔ وہی صورت اگر دوری میں ظاہر ہو تو اُس میں بھی وہی نتیجہ پیدا ہوگا۔ پھر دور اور نزدیک میں فرق کیا؟

دوسری دلیل "جیسے پانی میں پانی ملنے سے نرالی صفت پیدا نہیں ہوتی۔ ویسے ایک گوتر باپ یا ماں کے خاندان میں شادی ہونے سے دھاتوؤں کا ادل بدل نہونے

سے ترقی نہیں ہوتی۔" (حوالہ مذکور)

جواب ۲ یہ دلیل بھی اپنی خوبی میں پہلی سے کم نہیں۔ اس دلیل سے تو پایا گیا کہ جو خاندان صاحب شرف وکمال ہوں وہ آپس میں بیشک رشتہ کرلیں۔ اُن کو چھوڑ کر اور جگہ تلاش کرنا۔ پھنّی کو چھوڑنا اور اُمرتی کو پھانسنا ہے۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ جس نزدیکی رشتہ میں کوئی وصف جسمانی یا اخلاقی یا علمی نہ ہو اُن کا رشتہ نہ ہونا چاہئے مگر یہ منع کوئی نزدیکی پر نہیں بلکہ عدم کمال پر مبنی ہے۔ یہی معنی ہیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ

(مسلمانو! دیندار عورت سے نکاح کیا کرو)

تیسری دلیل "جیسے دودھ میں مصری یا سونٹھ وغیرہ دوائیوں کے ملاپ سے عمدگی ہوتی ہے ویسے ہی مختلف گوتر والے یعنی جنکے ماں باپ مختلف خاندان سے ہوں ایسے مرد وعورت کا بیاہ ہونا افضل ہے۔" (حوالہ مذکور)

جواب ۳ مختلف خاندان میں ہونے سے یہ نتیجہ حاصل نہ ہوگا بلکہ اُسمیں بھی نیک خصلت کی تلاش ہوگی۔ پھر وہی تلاش نزدیک میں کیوں نہ کرلیجائے

چوتھی دلیل "جیسے اگر کوئی ایک ملک میں مریض ہو۔ وہ دوسرے ملک میں ہوا اور کھانے پینے کی تبدیلی سے تندرست ہوتا ہے۔ ویسے ہی دور ملکوں کے رہنے والوں کے بیاہ ہونے میں بھی عمدگی ہے۔" (حوالہ مذکور)

جواب ۴ بعض کو غیر دیس کی آب وہوا موافق نہیں ہوتی وہ کیا کرے؟ جناب پردیس کی تکلیف وہی جانتا ہے جسکو کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو۔

پانچویں دلیل "نزدیک رشتہ کرنے میں ایک دوسرے کے نزدیک ہونے سے خوشی غمی کا معلوم ہونا اور باہم رنجیدگی کا ہوجانا بھی ممکن ہے۔ دور ملک کے رہنے والوں میں نہیں۔ اور جیسا دور جگہوں کے رہنے والوں کے بیاہ میں دور دور تک محبت کا رشتہ بڑھ جاتا ہے ایسا نزدیک کے رہنے والوں کے بیاہ میں نہیں۔" (حوالہ مذکور)

جواب ۵ بات یہ ہے کہ سوامی جی گھرست آشرم (خانہ داری) میں پڑے نہ تھے بیچارے دور دراز بیٹھے کیا صحیح تعلیم دے سکتے ہیں۔ اُن کو خبر نہیں جس امرتسری کی لڑکی دہلی میں بیاہی ہو اُسکو سال میں ایک دو دفعہ اُس کے خیر و شر میں شریک ہونے کیلئے جانا پڑے تو کیا کچھ مشکلات پیش آتی ہیں۔ بہ نسبت اسکے کہ ایک ہی مقام میں ہونے سے کیا آرام ہے۔ چونکہ اس امر کا فیصلہ خانگی تجربہ پر مبنی ہے اسلئے ہم اس بارے میں سوامی جی کو معذور جانکر اتنا ہی کہتے ہیں ؎ تو آشنائے حقیقت نۂ خطا اینجاست۔

چھٹی دلیل "دور دور ملک کے حالات اور چیزیں بھی دور رشتہ ہونے میں باہمی امداد سے مل سکتی ہیں۔ نزدیک کے بیاہ ہونے میں نہیں۔ اسیلئے لڑکی کا نام دُوہتا (دختر) اس سبب سے ہے کہ اسکا بیاہ دور ملک میں ہونے سے فائدہ بخش ہوتا ہے۔ نزدیک ہونے میں نہیں" (حوالہ مذکور)

جواب ۶ تو لڑکی بیاہ کر بیوپار کی گویا ایجنسی کھولی جائیگی۔ ممکن ہے ویدک زمانہ میں ایسا کرنے کی ضرورت ہوتی ہو۔ ابتو گھر بیٹھے ہی سب ملکوں کی چیزیں پہنچ جاتی ہیں۔ امرتسر۔ لاہور۔ دہلی کے بازاروں میں کس ملک کی چیز نہیں ملتی۔ کہ ایک آریہ اتنی دور دراز ملک (کشمیر وغیرہ) میں لڑکی کی شادی کرے تاکہ وہاں سے سیب اور ناشپاتیاں آئینگی۔ (کیسی خود غرضی ہے۔ ہے رام)

مہاشئے سجنو! دختر سے فائدہ ہی لینا ہے تو اسکی آسان ترکیب ہے کہ لڑکے والوں سے کافی رقم لے لیا کرو۔ سناتن دھرمی ہندو لڑکی کے سسرال کے محلہ کے کنوئیں سے پانی بھی نہیں پیتے۔ تم اُن سے مت ڈرو۔ کیا وہ ایسا کرنے سے تمہیں ہندو سنگھٹن سے نکالدینگے؟ ہر گز نہیں نکال سکتے۔ اور اگر وہ ہندو سنگھٹن سے تم کو نکالدیں تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو تنظیم میں لے لینگے۔ مہاشئہ سجنو! ؎

یاں کے آنے کا مقرر قاصدا وہ دن کرے
جو تو مانگیگا وہی دونگا خدا وہ دن کرے

ساتویں دلیل "لڑکی کے باپ کے خاندانمیں مفلسی کا ہونا بھی ممکن ہے۔ کیونکہ جب لڑکی باپ کے خاندان میں آئیگی تب اُسکو کچھ نہ کچھ دینا ہی ہوگا" (حوالہ مذکور)

جواب اب بات پتہ کی کھلی کہ دور رشتہ کرنے میں لڑکی کے باپ کا فائدہ ہے۔ دلیل ششم کو ہفتم سے ملاکر دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کی تعلیم کے مطابق لڑکی کی شادی کرنے میں بڑا قابل لحاظ اصول وہ ہے جس میں باپ کو فائدہ ہو۔ دگرہیچ۔ ہم بھی اس دور اندیشی کی داد دیتے ہیں اور آریوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ سوامی جی کی ہدایت پر عمل کرکے لڑکیوں کے ذریعہ فوائد حاصل کیا کریں۔ تجارت پیشہ اقوام ہر کام میں تجارتی اصول مدنظر رکھتی ہیں ؎ مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلےٰ

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

آٹھویں دلیل "نزدیک ہونے سے ایک دوسرے کو اپنے اپنے باپ کے خاندان کی مدد کا گھمنڈ۔ اور جب کچھ بھی دونوں میں ناراضگی ہوگی تب عورت فوراً ہی باپ کے خاندان میں چلی جائیگی۔ ایک دوسرے کی مذمت زیادہ ہوگی اور رنجش بھی۔ کیونکہ اکثر عورتوں کا مزاج تیز اور نرم (جلد اثر پذیر) ہوتا ہے"

جواب اس دلیل میں تو سوامی جی نے کمال ہی کردیا۔ کیا مجال کہ خودغرضی کا اصول بھولجائیں۔ افسوس یہ نہ سمجھا کہ مثلاً امرتسری لڑکی امرتسر میں بیاہی ہوئی خاوند سے سوء مزاجی ہونے پر تو وہ باپ کے گھر میں آگئی۔ لیکن دہلی میں خاوند سے لڑکر کہاں جائیگی؟ ہاں چونکہ حسب تعلیم سوامی جی گرد کل کی تعلیم یافتہ ہوگی اسلئے وہ اسٹیشن تک تو آجائیگی مگر اتنے لمبے سفر میں دہلی سے امرتسر تک جو اُسکو پریشانیاں ہونگی اُن کا کیا علاج آپ نے بتایا۔ اور اگر وہ وہاں دہلی ہی میں کسی پڑوسی کے گھر میں چھپ رہیگی تو اُس بیچاری ناآشنا کا کون پرسان حال ہوگا۔ جو خاوند یا باپ سے اُسے ملا دیگا۔

آریہ سجنو! جو تم میں سے کرم کیٹم رکھتے ہیں وہ سوامی جی کی بات پر دل سے

غور کریں اور بتادیں کہ جو مشکلات شہر میں رشتہ کرنے پر سوامی جی بتا رہے ہیں۔ دور ملک میں رشتہ کرنے کی صورت میں جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں وہ ان مشکلات سے کہاں تک زیادہ ہیں؟ اس کا جواب ہم کسی ناتجربہ کار مجرد نوجوان سے نہیں پوچھتے جس کی بابت یہ کہا گیا ہے ؎

مجرد سب سے اعلیٰ ہے   نہ جورو ہے نہ سالا ہے

بلکہ گرہم کتھم والے سے پوچھتے ہیں جو اس ندی میں تیرے ہوئے ہیں۔

آہ سوامی جی زندہ ہوتے تو ہم اُن کی شادی کرا دیتے پھر اُن کو خود بخود حالات اور خانہ داری کی مشکلات معلوم ہو جاتیں۔ سردست ہماری طرف سے ایک بیت اُن کی نذر ہے ؎

عشق کی راہ کٹھن کو کوئی ہم سے پوچھے
قیس کیا جانے غریب اگلے زمانہ والا

سماجی مترو! سنو! نزدیک برادری میں اور نزدیک بستی میں رشتہ کرنے میں جو خرابیاں آپ کے گرو جی نے بتائی ہیں۔ جو فوائد اس میں ہیں وہ ان خرابیوں پر غالب ہیں۔ رشتہ نکاح کے دو حال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یا تو میاں بیوی کی بن آتی ہے تب تو آنند سے رہتے ہیں کسی کی مداخلت کی نہ حاجت نہ ضرورت۔ یا کچھ سوء مزاجی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کے دور کرنے میں فریقین کے تعلقدار کوئی لڑکی کا چچا ہے تو وہی لڑکے کا ماموں ہے۔ کوئی لڑکی کا خالو ہے تو وہی لڑکے کا چچا ہے۔ غرض ایک دوسرے سے جکڑے ہوئے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ ایک ہی بستی میں رہتے ہیں۔ ایک کو دوسرے کی عزت کا اندازہ ہے۔ ایک کو دوسرے کا سو طرح سے لحاظ ملاحظہ ہے۔ جو بے تعلق لوگوں اور مسافری میں نہیں ہوتا اسلئے سوء مزاجی رفع کرنے میں یہ اسباب بہت مفید ہوتے ہیں جو دور دراز میں نہیں ہو سکتے۔ مگر سوامی جی پہ یہ واقعات پیش نہ آئے تھے

اس لئے وہ معذور ہیں۔ سچ ہے ؎
قدر ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

خدا کے سچے نبی اسی لئے خدا نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو ازواج اور اولاد والا بنایا۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (۱۳)

یعنی ہم نے نبیوں کو بیویاں اور اولادیں دیں۔ تاکہ وہ جو حکم دیں اُس کا اندازہ پہلے خود اُنکو ہو۔

بیاہ کی قسمیں

اہل علم جانتے ہیں کہ قسمیں وہی ہو سکتی ہیں جن پر مُقسم صادق آسکے۔ مثلاً انسان کی قسمیں ہندی۔ چینی۔ افغانی۔ ایرانی۔ جاپانی وغیرہ ہیں۔ اِن سب پر انسان بولا جاتا ہے۔ کوئی چیز ایسی ہو کہ اُس پر انسان بولا نہ جائے تو وہ انسان کی قسم نہ ہوگا جیسے پتھر۔ درخت وغیرہ۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حجر شجر وغیرہ انسان کی قسمیں ہیں۔ اسلئے نکاح کی قسموں میں وہی صورت داخل ہوگی جسکو نکاح یا شادی کہہ سکیں۔ شادی میں وہی تعلق آسکتا ہے جس کو مذہبی اور قومی طریق سے جائز کہا جاسکے۔ مثلاً بازاری زناکاری یا خفیہ یارانہ رکھنے والوں کا تعلق نکاح یا شادی نہیں کہا جائیگا۔ اس اصول کو یاد رکھکر نکاح آریہ کی قسمیں سنئے۔

سوامی جی کی اس بارے میں دو کتابوں میں تحریریں ہیں جو ایک دوسرے کی تشریح ہیں۔ اسلئے ہم دونوں کو یکے بعد دیگرے یہاں نقل کرتے ہیں۔

بیاہ کی آٹھ قسمیں "بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے۔ ایک براہم۔ دوسرا دیو۔ تیسرا آرش چوتھا پرجاپت۔ پانچواں اسُر۔ چھٹا گاندھرب۔ ساتواں راکھشش۔ آٹھواں

پیشاچ" (ستیارتھ باب ۴ ص۱۴۱)

پھر ان میں سے ہر ایک کی تعریف اور تفصیل کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

(۱) براہم " دولہا دُلہن دونوں کامل برہمچاری۔ پورے فاضل۔ دھارمک اور نیک سیرت ہوں اُن کا باہم رضامندی سے بیاہ ہونا براہم کہلاتا ہے۔"

(ستیارتھ)

اسکی تشریح میں دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں۔

"کنیا کے قابل۔ شوشل۔ ودوان پُرش کا سنکار کر کے کنیا کو اچھے لباس وغیرہ سے آراستہ کرا ایسے اُتم پرش (بھلے آدمی) کو بلا جس سے کنیا کی پوری مطابقت اور پرسنتا (خوشی) ہو کنیا دینا یہ براہم وواہ کہلاتا ہے۔" (اُردو سنسکار ودھی ص۳۸۹)

(۲) دیو "بڑے یگیہ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی کا دینا دیو کہلاتا ہے۔" (ستیارتھ باب ۴ ص۱۴۱)

اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"ایک بڑے پیمانے کے یگیہ میں بڑے بڑے عالم و فاضل لوگوں کو بلا کر اُسمیں کرم کرنے والے ودوان کو اچھے لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے کنیا دینا یہ دیو وواہ کہلاتا ہے۔" (اُردو سنسکار ودھی ص۳۸۹)

(۳) آرش دولہا سے کچھ لیکر وواہ ہونا آرش۔" (ستیارتھ پرکاش)

اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"ایک گائے۔ بیل کے جوڑے یا دو جوڑے وَر (دُلہا) سے لیکر دھرم کے مطابق کنیا دان کرنا آدرش وواہ کہلاتا ہے۔" (اُردو سنسکار ودھی)

(۴) پرجاپت "دونوں (دُلہا دُلہن) کا بیاہ دھرم کی ترقی کیلئے ہونا پرجاپت۔" (ستیارتھ)

اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔

"کنیا (دُلہن) اور وَر (دُلہا) کو یگیہ شالہ میں تمام کارروائی ودھی پوروک (باطریقہ) کر کے سب کے سامنے" تم دونوں ملکر گھرست آشرم کے فرائض کو

ٹھیک طور پر سر انجام دو" یہ الفاظ کہکر دونوں کی رضا و رغبت اور پوری خوشی سے شادی کرنا یہ پرجاپت دواہ ہے"۔ (سنسکار ودھی اُردو)

(۵) **آسُر** | دُلہا اور دُلہن کو کچھ دیکر بیاہ کرنا آسُر"۔ (ستیارتھ)

اس کی تشریح یوں لکھتے ہیں۔

"وَر (دُلہا) کے خاندانوں کو حتی المقدور دھن وغیرہ دیکر ہوم وغیرہ کی کارروائی کر کے کنیا دینا یہ آسُر دواہ ہے"۔ (اُردو سنسکار ودھی)

(۶) **گاندھرب** | "بے قاعدہ بے موقع کسی وجہ سے دُلہا دُلہن کا بامرضی میل ہونا گاندھرب ہے"۔ (ستیارتھ)

اس کی تفصیل یوں لکھتے ہیں۔

"وَر (دُلہا) اور کنیا (دُلہن) کی خواہش سے دونوں کا سمبندھ (تعلق) ہونا اور یہ خود ہی مان لینا کہ ہم دونوں اب عورت کے تعلق میں ہیں۔ یہ جذبات حیوانی سے متاثر ہو کر کیا جانے والا گاندھرب دواہ کہلاتا ہے"۔ (سنسکار ودھی)

(۷) **راکھشش** | "لڑائی کر کے۔ جبراً یعنی چھین جھپٹ یا فریب سے لڑکی کو حاصل کرنا راکھشش (ہے)"۔ (ستیارتھ باب ۴ ۴۱)

اس کی تشریح فرماتے ہیں

"کنیا (دلہن) کو اُسکی مرضی کے خلاف اور اُسکی مدد کرنیوالوں کو شکست دیکر روتے چلاتے کانپتے اور آہ و پکار کرتے جسمانی طاقت سے چھین لیجا کر شادی کرنا یہ راکھشش دواہ کہلاتا ہے"۔ (اُردو سنسکار ودھی)

(۸) **پیشاچ** | "سوئی ہوئی۔ یا شراب وغیرہ پی کر بیہوش ہوئی ہوئی یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہمبستر ہونا پیشاچ بیاہ کہلاتا ہے"۔ (ستیارتھ)

اس کی تشریح فرماتے ہیں۔

سوتی ہوئی۔ پاگل۔ بیہوش۔ نشہ میں سرشار ہو کر بدمست پڑی عورت کو علیحدہ اُسکی عصمت دری کرنا پیشاچ دواہ کہلاتا ہے"۔ (اردو سنسکار ودھی صفحہ ۳۹)

ناظرین! پچھلی چار قسمیں خاصکر ساتویں آٹھویں قسم کو بغور دیکھیں کہ کہانتک بات پہنچتی ہے۔ اس تعلیم کے اثر سے کوئی شریف خاندان محفوظ رہ سکتا ہے؟

اُف رے ظلم والیان دختر سے لڑکر۔ لڑکی کو جبرًا چھین کر۔ ہائے توبہ شراب پلاکر (ہے رام!) پاگل لڑکی کو لیجاکر شادی کیجائے۔ اور آریہ دھرم اُس کو شادی کی قسم میں داخل کرے (اے پرماتما دھرتی انرتھ کیوں نہیں ہو جاتی) ہاں اسمیں شک نہیں کہ سوامی جی نے پچھلی چار قسموں کی نسبت مندرجہ ذیل رائے لکھی ہے

"ان چار قسم کے بُرے دواہ سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ جھوٹی۔ وید ودیا کی مخالف۔ بُرے خیالات وجذبات رکھنے والی قابل نفرت اور بدنام ہوتی ہے اسلئے تمام انسانوں کو واجب ہے کہ جن بُری قسم کی شادی سے انسانی سوسائٹی میں بُرے لوگوں کی تعداد بڑھتی ہے (یعنی بُری اولاد پیدا ہوتی ہے) ایسے چار قسم کے دواہ کو ترک کردیں۔ اور جن پہلے چار قسم کے دواہ سے نیک بچے پیدا ہوکر سوسائٹی کا ایک اعلےٰ جزو بنتے ہیں ایسے قابل تعریف دواہ کریں"۔
(اُردو سنسکار ودھی صفحہ ۳۹)

جواب ہم اپنے تمہیدی نوٹ میں قسم اور مُقسم کی نسبت بتا چکے ہیں اسلئے سوامی جی اور آریہ سماجی ان قسموں پر کتنا ہی اظہار رنج کریں ہمارے اعتراض کو دور نہیں کرسکتے۔ ہم تو یہ کہینگے کہ گو یہ چار قسمیں بد ہیں بلکہ بدتر ہیں لیکن نکاح کی قسمیں تو ہیں۔ مثلاً کوڑھی انسان کیسا ہی بُرا اور مردود ہے لیکن انسان کی قسم تو ہے۔ یہ چار قسمیں گو بُری ہیں مگر بیاہ کی قسمیں تو ہیں۔ بیاہ اور زنا میں جو فرق ہے وہ یہی ہے کہ بیاہ میں عورت مرد کا ملاپ جائز ہے اور زنا میں ناجائز۔ یہ چار شادیاں اگر بیاہ کی قسمیں ہیں جیسا کہ سوامی کی تحریر سے ثابت ہے تو کوئی شک نہیں کہ ذریعہ اور طریقہ گو اسکا ناپسند ہے مگر

اصل غرض تو جائز ہے یعنی استری پُرش کا ملاپ - ورنہ ان کو زنا کی اقسام میں شامل کرنا چاہئے تھا - بیاہ (شادی) میں کیوں کیا -

ایک سوال سماجیوں سے فیصلہ کن سوال یہ ہے کہ ان چار قسموں کے بعد مرد عورت کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ اس مرد کی (ہاں اُس مرد کی جو جبراً بیگانی لڑکی کو لے کر گیا - ہاں اُس مرد کی جس نے بیگانی لڑکی کو شراب پلا کر اپنی استری بنایا اور ملاپ کیا اس میں سے پیدا شدہ اولاد اُس مرد کی) کہلا کر اُسکی جائز وارث ہوگی؟ یعنی اُسکے مال و اسباب کے ترکہ کی مالک ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی اور یقیناً ہوگی - چنانچہ آریوں کی شہادت اس بارے میں یہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں جہاں یہ ذکر ہے طبع چہارم میں وہاں ایک فقرہ قوس کے درمیان زیادہ کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں -

"**بیاہ کی آٹھ قسمیں** بیاہ (یعنی اولاد پیدا کرنیکا طریق ۸ ص۱۰۶)

اس زیادتی میں آریوں نے یہ بتایا ہے کہ بیاہ جسکی یہ آٹھ قسمیں ہیں وہ اولاد پیدا کرنیکا جائز اور دھرمی طریقہ ہے - اگر دھرمی طریقہ ہے تو یہ اولاد والد کے ترکہ وغیرہ کی مالک بھی ہوگی - تو پھر اس تعلق کے جائز ہونے میں کیا شبہہ؟ یہ قسمیں بالکل ناجائز ہوتیں تو چاہئے تھا کہ ان قسموں کی اولاد اس مرد کی جائز وارث نہ ہوتی - بلکہ مثل زنا زادوں کے ترکہ سے محروم ہوتی - بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ چار قسمیں نکاح کی قسمیں ہی نہ ہوتیں بلکہ زنا کی قسمیں ہوتیں - جیسے اسلام کا ایسی قسموں کی بابت فتوے ہے - جب بیاہ کی قسمیں ہیں تو اس کا نتیجہ کم سے کم اتنا تو صاف اور بالکل صحیح ہے کہ ان صورتوں میں استری پُرش کا ملاپ جائز ہوگا -

صاحب اولاد سجنو! سچ کہنا اور پرمیشور کو سامنے دیکھکر کہنا کہ خدا نخواستہ تمہارے گھر پہ کوئی ظالم اس قسم کا چھاپہ مارے یعنی تم سے لڑ کر

تم کو اور تمہارے خاندان کو شکست دیکر یعنی قتل عام کرکے تمہاری لڑکی کو چھین جھپٹ کر یا دھوکہ سے شراب پلاکر ظالم راکھشش معصومہ کو اُڑا کر لیجائے اُسکے بعد ساری عمر تمہارے سینہ پر مونگ دلتا ہوا اُس معصومہ سے ملاپ کرتا رہے یہانتک کہ اُس سے اولاد پیدا ہو جائے۔ تو کیا تم اُس کے ننہال کہلانا پسند کرو گے؟ اس کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے ضمیر سے سوال کرکے بتانا کہ آریہ دھرم کی تعلیم کہانتک انسانی طبیعت اور غیرت کے موافق ہے؟ ۵

آپ ہی اپنے ذرہ، نیم و دھرم کو دیکھو
ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی

نکاح کرنے کا طریق

آرین ایجنسی

پیاسو! اسبیل ہے سر کو شرلگی ہوئی

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ سوامی دیانند نے آریوں کو سب کچھ سکھایا ہے یہ اور بات ہے کہ آریہ سماجی بے پرواہی سے اُسپر عمل نہ کریں۔ سوامی جی نے نکاح کا جو طریق بتایا ہے قابل دید و شنید ہے۔ فرماتے ہیں

"لڑکی اور لڑکے کا شادی کے پہلے اکیلی جگہ میں میل نہ ہو۔ کیونکہ جوانی میں عورت مرد کا اکیلی جگہ میں ٹھیرنا موجب خرابی ہے۔ لیکن جب لڑکی یا لڑکے کی شادی کا وقت ہو۔ یعنی ایک برس یا چھ مہینے برہمچریہ آشرم اور تحصیل علم کے ختم ہونے میں باقی رہیں۔ تب اُن لڑکی اور لڑکوں کا پرتی بمب یعنی عکس جسکو فوٹو کہتے ہیں یا تصویر اُتار کر لڑکیوں کے پڑھانیوالیوں کے پاس کنوارے لڑکوں کی لڑکوں کے اُستادوں کے پاس لڑکیوں کی تصویر بھیج دیں۔ جس جس کا روپ

ملجائے اُس اُس کے اِتی ہاس یعنی پیدائش سے لیکر اُس دن تک جنم چرتر یعنی سوانح عمری کی کتاب ہو۔ اُس کو پڑھانے والے منگوا کر دیکھیں۔ جب دونوں کے وصف۔ عمل۔ فطرت۔ مطابق ہوں تب جس جس کے ساتھ جس جس کا بیاہ ہونا مناسب سمجھیں۔ اُس اُس لڑکے اور لڑکی کی عکسی تصویر اور اِتی ہاس لڑکی اور لڑکے کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور کہیں کہ اس میں جو تمہاری منشا ہو سو ہم کو بتا دینا۔ جب اُن دونوں کا پختہ ارادہ باہم شادی کرنیکا ہو جائے تب اُن دونوں کا سماورتن (گروکل سے واپسی) ایک ہی وقت میں ہونا چاہئے اگر وے دونوں پڑھانیوالوں کے سامنے بیاہ کرنا چاہیں تو وہاں۔ نہیں تو لڑکی کے ماں باپ کے گھر میں بیاہ ہونا مناسب ہے۔ جب وے سامنے ہوں تب اُن اُستادوں یا لڑکی کے ماں باپ وغیرہ نیک آدمیوں کے سامنے اُن دونوں کی آپس میں بات شاستر اَرتھ کرانا اور جو کچھ پوشیدہ بات پوچھیں وہ بھی مجلس میں لکھکر ایک دوسرے کے ہاتھ میں دیکر سوال و جواب کرلیں جب دونوں کی پوری رغبت بیاہ کرنے میں ہو جائے تب سے اُن کے خورد و نوش کا عمدہ انتظام ہونا چاہئے کہ جس سے اُن کا جسم جو پہلے برہم چریہ اور علم حاصل کرنے کی ریاضت اور تکلیف میں کمزور ہوتا ہے وہ چاند کی کلا کی مانند تھوڑے ہی دنوں میں بڑھکر طاقتور ہو جائے۔ پھر جس دن لڑکی رجسلا (حیض والی) ہو کر جب نہا دھولے تب ویدی اور منڈپ بنا کر کئی خوشبودار چیزیں اور گھی وغیرہ کا ہوم نیز اپنے (واقف کار) فاضل مرد عورتوں کی مناسب عزت کریں۔" (ستیارتھ باب ۴ صـ۴۲)

سماجی سجنو! آجتک اگر اسپر عمل نہ کیا نہ سہی۔ ابتو سنگھٹن کا زمانہ ہے اب تو شروع کردو۔ سناتن دھرمی ہندوؤں کی پھبتیوں کا اندیشہ تھا تو وہ اب نہیں رہا۔ کیونکہ جب سے تم لوگوں نے سنگھٹن کے خیال سے اُن کے خلاف دھرم (بت پرستی۔ شرادھ وغیرہ) کاموں پر مخول اُڑانا چھوڑ دیا

ہے وہ بھی تم کو کچھ نہیں کہینگے۔ بیشک ایسی نکاح ایجنسی کھول دینی چاہئے

میاں بیوی کے ملاپ کا طریق

سوامی دیانند چونکہ ساری عمر مجرد رہے گھرست آشرم (امور خانداری) سے واقف نہ تھے۔ نہ آپ کو الہام ہوتا تھا کہ بانیٔ فطرت کی طرف سے تعلیم پہنچتی۔ اسلئے جو کچھ آپ کے دل میں آتا کہہ ڈالتے۔ ماننے کو آریہ سماجی تیار رہیں۔

کون نہیں جانتا کہ بیوی خاوند کا باہمی ملاپ کرنا ایک قدرتی تعلیم سے ہے جو انسان کے علاوہ حیوانات بھی کرتے ہیں۔ ورنہ مرغ۔ کبوتر۔ چڑا۔ بلکہ چیونٹے تک کو کون سکھاتا ہے؟ وہی صانع عالم جسکی شان ہے۔

آتا کل شیئ خلقہ ثم ھدای

(اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اُسکی ضروریات کی اُسے سوجھ دی)

یقینی بات ہے کہ جب حیوانات چڑی چیونٹی تک کو خدائے پرماتما نے یہ تعلیم دے رکھی ہے تو انسان کو کیوں نہ دی ہوگی۔ جو کچھ اُس نے سکھایا ہے چونکہ سب لوگ خصوصاً ہمارے مخاطب نوجوان آریہ سماجی خوب جانتے ہیں اسلئے ہم اُسکا ذکر نہیں کرتے بلکہ جو کچھ سوامی جی نے سکھایا ہے وہ بتاتے ہیں تاکہ نوجوان آریہ سماجی اندازہ کر سکیں کہ سوامی جی کی تعلیم یعنی ویدک دھرم خدائی تعلیم کے مطابق ہے؟ سوامی جی لکھتے ہیں۔

"آدھی رات یا دس بجے نہایت خوشی سے سب کے سامنے پانی گرہن (ہتھلیوا) سے بیاہ کرم کے طریق کو پورا کرنے کے بعد خلوت میں چلے جاویں۔ مرد منی ڈالنے اور عورت منی کھینچنے کی جو ترکیب ہے اُسی کے مطابق دونوں کریں۔ جہانتک بنے وہاں تک برہم چریہ کے ویریہ کو فضول یا ضائع نہ کریں۔ کیونکہ اُس ویریہ یا

سے جو جسم پیدا ہوتا ہے وہ بینظیر عمدہ اولاد ہوتی ہے۔ جب ویرج کے رحم میں گرنے کا وقت ہو۔ اُسوقت عورت مرد دونوں بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا جسم رکھیں۔ اور نہایت خوشدل رہیں۔ ہلیں نہیں ؎۔ مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑے اور عورت ویریہ حاصل کرنیکے وقت اپان وایو (سانس) کو اوپر کھینچے۔ جائے مخصوص کو اوپر سکوڑ ویریہ (نطفہ) کو اوپر کشش کرکے رحم میں ٹھیرا دے۔ پھر دونوں صاف پانی سے غسل کریں ؛

(ستیارتھ باب ۴ ۴۳)

اس حکم میں سوامی جی نے جس حرکت سے منع کیا ہے۔ آریہ سماجی شہادت دینگے کہ اُسی حرکت میں ساری برکت ہے۔ مزید تفصیل کی حاجت نہیں کیونکہ یہ ایک فطری (نیچرل) فعل ہے جسے ہر ایک بوڑھا جوان بلکہ حیوان بھی جانتا ہے۔

یہ تو ہے خاوند بیوی کے ملاپ کا طریق۔ سوامی جی نے حمل ٹھیرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے بلکہ لڑکے لڑکیاں بنانے کا ڈھب بھی سکھایا ہے

نوٹ: آئندہ اقتباس میں بعض ہندی آئینگے۔ ناظرین اُن کا ترجمہ پہلے سُن لیں۔ پورنماشی (چاند کی چودھویں رات) اماوس (چاند کی اُنتیسویں شب) چودس (چاند کی اٹھائیسویں شب) اشٹمی (چاند کی بائیسویں رات)

اب سنئے سوامی جی کا حکم۔ فرماتے ہیں۔

"رتودان کا وقت: منو وغیرہ مہارشیوں نے رتودان (ہمبستری) کے وقت کا فیصلہ اس طرح سے کیا ہے کہ ہمیشہ مرد ایام حیض کے بعد استری سے سماگم (ملاپ) کرے۔ اپنی عورت کے سوائے کبھی دوسری عورت کا خیال تک بھی دل میں نہ لائے اور اسی طرح عورت بھی اپنے خاوند کے بغیر دوسرے مرد کے خیال سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ جو ہمیشہ اپنی عورت سے خوش رہکر استری ورت دھرم کا پالن کرتا ہے جیسے

؎ سماجیو! دیکھنا ہلنا نہیں۔ (مصنف)

کہ پتی برتا استری اپنے پتی کو چھوڑ کبھی کسی غیر مرد کا دھیان نہیں کرتی۔ ایسے پُرش کو چاہئے کہ رتودان کے سولہ دنوں میں پورنماشی۔ اماوس۔ چودس اور اشٹمی آوے ان دنوں کو چھوڑ دے۔ ان چار دنوں میں استری پُرش کبھی بھوگ نہ کریں۔ استریوں کا قدرتی رتو کال ۱۶ راتوں کا ہے۔ یعنی جبکہ درشن (جس روز حیض آوے) سے لیکر سولہویں دن تک۔ ان میں سے پہلی چار راتیں یعنی جس دن رجسولا ہو اس دن سے لیکر چار دن ممنوع ہیں۔ پہلی دوسری تیسری اور چوتھی رات میں پُرش بھولکر بھی استری کے پاس جانے کا خیال تک نہ کرے اور استری بھی بالکل علیحدہ ہی رہے۔ یہاں تک کہ رجسولا کے ہاتھ کا چھوا پانی بھی نہ پیویں۔ نہ وہ استری کچھ کام کرے صرف علیحدگی میں شانتی سے بیٹھی رہے۔ ان چار راتوں میں عورت و مرد کا ملاپ سراسر فضول اور سخت جہلک بیماریوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ ان دنوں استری کے جسم سے ایک طرح کا زہریلا خون نکلتا ہے جیسے کسی پھوڑے سے پیپ یا خون خارج ہوتا ہے اسلئے ان دنوں سماگم کرنا نہایت خطرناک ہے۔ اور جسطرح پہلے چار دن رتو دان کیلئے ممنوع ہیں۔ ویسے گیارہویں اور تیرہویں رات بھی منع ہے۔ باقی دس رات گرہستھ ان کے لائق ہیں۔ جن کو لڑکے کی خواہش ہو وہ چھٹی آٹھویں دسویں۔ بارہویں۔ چودہویں اور سولہویں۔ ان راتوں کو اپنے لئے اچھا جانیں لیکن ان میں بھی پہلی دو راتیں یعنی چھٹی اور آٹھویں بہت اچھی ہیں۔ اور جن کو کنیا کی خواہش ہو وہ پانچویں۔ ساتویں۔ نویں اور پندرہویں۔ یہ چار راتیں اچھی سمجھیں۔ اور پُتر کی خواہش رکھنے والا جفت راتوں میں رتودان دے۔"

(اُردو سنسکار ودھی صہ ۲۲۳)

تشریح مطلب یہ ہے کہ ایام حیض میں جماع کرنا تو طبعاً ممنوع ہے ان کے علاوہ چاند کی چودہویں۔ بائیسویں۔ اٹھائیس اور انتیسویں راتوں میں بھی عورت مرد باہمی ملاپ نہ کریں۔ نیز یوم حیض سے گیارہویں اور

تیرہویں رات کو بھی (گو خون بند ہو) پرہیز رکھیں۔
چنانچہ اس کی تشریح سوامی جی کی دوسری کتاب سے یوں ملتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"حیض کے نمودار ہونے کے پانچویں دن سے لے کر سولھویں تک جو ہم بستری کا وقت ہے۔ اُس سے پیشتر کے چار دن ترک کر دینے چاہئیں۔ باقی جو بارہ دن رہے ان میں سے گیارہویں اور تیرہویں رات کو چھوڑ کر باقی دس راتوں میں عمل متعلقہ حمل اچھا ہے۔" (ستیارتھ باب ۴ ص ۳)

لٹریری سوال

ہمارا خیال ہے کہ آریہ سماجی وِدوانی میں فلسفہ سائنس کے مدعی ہیں تو زبان دانی میں بھی کم نہیں۔ اس لئے ہم ایک لٹریری (ادبی) سوال اُن سے پوچھتے ہیں کہ سوامی جی نے عبارت مرقومہ میں جو اتنی پیچیدہ عبارت میں حکم بتایا ہے کیا وہ آسان طریق سے یوں نہیں بتایا جا سکتا کہ

"حیض کے نمودار ہونے سے چار روز تک اور گیارہویں اور تیرہویں تاریخ ترک کر دینی چاہئے"؟

سوامی جی نے جو طریق بیان اختیار کیا ہے وہ تو سر کے اوپر سے کان پکڑنے کی مثال ہے۔ کیا عالموں اور وِدوانوں کے لئے فصاحت و بلاغت کا جاننا اور اُن کے قواعد کا پابند رہنا ممنوع ہے یا ضروری نہیں۔

آریہ نوجوانو!

ٹائم از منی (Time is Money) کو اپنا اصول بنانے والو! سوچو تو سہی سوامی دیانند جی تمہارے اوقات

کا خون کس بے دریغی سے کر رہے ہیں۔ کہ خواہ مخواہ تمہارے ایک مبانز وصال میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ جس پر تمہاری زبان سے یہ شعر موزوں ہے ؎

وصال یار میسر ہو کس طرح ضامن
ہمیشہ گھات میں رہتا ہے آسمان صیاد

اچھا یہ تو بتاؤ کہ ایام حیض میں تو بھلا ایک مانع معقول ہے جس کو قرآن شریف نے نہایت احسن طریق سے فرمایا ہے

قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (پ ۲ ع)

(یعنی حیض ناپاکی ہے اس میں عورتوں سے کنارہ کش رہا کرو)

قرآن مجید نے مدت حیض میں ملاپ سے منع فرمادیا ہے۔ دن مقرر نہیں کئے۔ یہ تو ایک معقول بات ہے کہ جب تک خون رہے ملاپ نہ کرو۔ لیکن یہ کیا معقول ہے کہ

"خون کے نمودار ہونے سے چار روز تک ملاپ نہ کرو"

یعنی دنوں کی پابندی کیوں؟ اگر کسی عورت کو دو تین دن حیض آکر بند ہو جائے تو وہ کیوں چار روز تک رُکے اور اگر کسی کو دس روز تک آتا رہے (چنانچہ دونوں مثالیں ملتی ہیں کوئی فرضی نہیں) تو اُسکا مرد نویں سے کیوں شروع کرے۔

لطف یہ ہے کہ حسب فتوائے سوامی جی حیض کی پہلی سے چھٹی۔ آٹھویں اور دسویں لڑکے پیدا کرنے کی تاریخیں ہیں۔ حالانکہ اُس بیچاری کو ان تاریخوں میں حیض کا خون جاری رہنا ممکن ہے۔

سماجی سجنو! | اور سنو! سوامی جی فرمایا کرتے تھے اور تم لوگ تصدیق کرتے تھے کہ پرانوں کی کتابیں ان کے مصنفوں نے بھنگ کے نشہ میں لکھی ہیں ہم نہیں کہہ سکتے یہ اُن کا قول کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن آپ لوگ یہ تو بتا سوامی جی کس حالت میں یہ حکم جاری کر رہے ہیں کہ

"حیض کے نمودار ہونے کے دن سے لیکر سولہویں رات کے بعد ہمبستری (صحبت) نہیں کرنی چاہئے" (ستیارتھ باب ۲ ء ۳)

کیوں؟ | چاہے ان دنوں میں عورت کو حیض جاری ہو یا نہ ہو؟ حالانکہ عام طور پر استری کو ایک مہینہ میں ایک دفعہ حیض آتا ہے۔ بھلا جس عورت کی یہ عادت ہو کہ مہینے کی پہلی تاریخ اسکو حیض آتا ہے اور پانچ چھ روز تک رہتا ہے پھر اخیر مہینے تک خون بند رہتا ہے وہ کیوں سترہویں تاریخ سے پندرہ روز بندش میں ضائع کرے۔ بحالیکہ فریقین جوان ہیں۔ حالانکہ پہلی تاریخ سے آٹھویں تک پھر اُسکو بندش کا حکم ہے۔ آخر اس حکم کی کوئی حکمت بھی ہے یا بقول سوامی جی کسی خاص حالت میں یہ احکام لکھے گئے ہیں ؎

لطف پر لطف ہے املا میں مرے یار کی مار | غلطی سے گدرح لکھتا ہے ہوز سی ہمار

نکاح دائم۔ لازم غیر منفک عقد ہے یا قابل فسخ

ہم دیکھتے ہیں اور فلسفہ قدرت شہادت دیتا ہے کہ جو تعلق انسانی فعل کے ذریعہ سے ہوتا ہے وہ ضرور منفک ہو جاتا ہے یا قابل انفکاک ہوتا ہے۔ انسانی رشتے دو قسم کے ہیں۔ ایک قدرتی جو بچے کے پیدا ہوتے ہی اُس سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ جیسے ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن وغیرہ۔ جونہی بچہ پیدا ہوا ماں۔ ماں بنی۔ باپ۔ باپ بنا۔ پھر چاہے وہ بچہ باپ کے مذہب اور خیالات پر رہے یا نہ رہے۔ جب کبھی وہ ولدیت لکھائیگا تو وہی لکھائیگا جسکے ہاں

پیدا ہوا تھا۔ برخلاف اس کے نکاح کا تعلق چونکہ انسانی فعل سے ہوتا ہے اس لئے یہ تعلق مثل دوسرے تعلقات (دوستی دشمنی وغیرہ) کے ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اُس کے دوستانہ تعلقات کتنے لوگوں سے آجتک ہوئے اور کتنوں سے ٹوٹے۔ یہی حالت تعلق نکاح کی ہے۔

مسئلہ طلاق اسلام میں مسئلہ طلاق اسی فلسفہ قدرت کے اصول پر مبنی ہے۔ آریہ سماجی اسلام کے مسئلہ طلاق پر منہ پھاڑ پھاڑ کر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ مگر وہ اپنے سوامی کے فرمان پر نظر نہیں کرتے جو طلاق سے بڑھکر ہے۔ اسلامی طلاق تو کسی ان بن پر مبنی ہے جسکی اصلاح نہ ہو سکے۔ لیکن سوامی دیانندجی نے جو طلاق بتائی ہے وہ ایسے افعال پر بھی ہے جو بیچاری عورت کے بس میں نہیں۔ چنانچہ فرماتی ہیں۔

"عورت بانجھ ہو تو آٹھویں برس۔ اولاد ہو کر مرجائے تو دسویں برس۔ جب جب اولاد ہو تب تب لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں برس تک۔ اور جو بد کلام بولنے والی ہو اُس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرلے۔" (ستیارتھ باب ۴ ص ۱۳۹)

مہاشہ سجنو! مسئلہ نیوگ پر اسوقت ہماری بحث نہیں۔ اس کیلئے ہمارا رسالہ "شادی بیوگان اور نیوگ" دیکھو۔ یہاں ہمارا مقصد لفظ "چھوڑ کر" کو آپکی نگاہ میں لانا ہے۔ بس آپ اسے دیکھئے اور بتائیے کہ یہ کیا غضب ہے کہ اولاد پیدا نہ ہو۔ یا لڑکیاں پیدا ہوں تو عورت کو چھوڑ کر دوسری جگہ تعلق پیدا کیا جائے۔ کیا یہ دونوں افعال عورت کے اختیاری ہیں؟ جنپر اُس بیچاری کو چھوڑنے کا فتوے دیا جاتا ہے۔

سوامی جی! ؎

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا؟
یہ تیرے زمانے میں دستور نکلا۔

نکاح بیوگان

ہم شروع میں بتا آئے ہیں کہ نکاح کی ضرورت ایک تیسری خواہش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جسکی وجہ سے نر کو مادہ کی اور مادہ کو نر کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ فلسفہ قدرت بتا رہا ہے کہ یہ ضرورت جیسی کنوارے کنواری کو ہے ویسی رانڈ۔ رنڈوے کو بھی ہوتی ہے۔ بلکہ زیادہ۔ اسلام اس قدرتی اصول کو ہمیشہ تک نباہتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

أَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ

(مسلمانو! بیوگان کی شادی کردیا کرو)

برخلاف اس کے آریوں کے گرو سوامی جی فرماتے ہیں

"برہمن۔ کھشتری۔ اور ویش ورنوں (یعنی شریف ذاتوں) میں جن مردوں اور عورتوں کی مجامعت ہوچکی ہو اُن کا مکرر بیاہ نہ ہونا چاہئے"

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۰۹)

آریوں (اور ہندوؤں) میں چار ذاتیں ہیں۔ برہمن۔ کھشتری اور ویش۔ برہمن علم دار۔ کھشتری سپاہ پیشہ۔ ویش تجارت پیشہ۔ یہ تینوں ذاتیں شرفا کی ہیں جن کو یہ لوگ "دوِج" کہتے ہیں۔ چوتھا طبقہ ہے شودر۔ جو نوکری پیشہ اور نیچ لوگ ہیں۔ سوامی جی فرماتے ہیں "پہلے تین طبقوں کے شریف لوگوں میں رانڈ۔ رنڈوے کا نکاح ثانی جائز نہیں۔ رنڈوہ مرد ہو یا رانڈ عورت سب برابر ہیں"

سوامی جی کے اس اَن نیچرل (خلاف قانون قدرت) حکم نے آریوں پر کیا اثر پیدا کیا اور اُنہوں نے اس حکم کو کہانتک عزت کی نگاہ سے دیکھا وہ ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ خود آریوں کے لفظوں میں بتاتے ہیں۔ "جادو وہ جو

سر پہ چڑھ کے بولے" لاہور کا اخبار آریہ گزٹ بیچاری رانڈوں کا نہایت دردناک مرثیہ لکھتا ہے۔ جسکی سرخی ہے

"ہندو ودھواؤں کی ناگفتہ بہ حالت"

اس سرخی کے نیچے حسب حال ایک شعر لگا کر ہم اس سرخی کو مزین کرتے ہیں وہ شعر یہ ہے ؎

فغاں میں۔ آہ میں۔ فریاد میں شیون میں۔ نالے میں
سناؤں حالِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

اڈیٹر صاحب آریہ گزٹ لکھتے ہیں۔

" اگر ملک میں ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے بھارت ورش (ہند) میں کسقدر ودھوائیں (بیوائیں) ہیں اور ان بیچاریوں کی جو درگتی ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ہماری ظالم ہندو قوم ان پر کسقدر ظلم کر رہی ہے؎۱۔ آج انکا حامی و مددگار سوائے پرماتما کے کوئی نہیں جسوقت ایک نوجوان سترہ اٹھارہ سال کی خوبصورت لڑکی ودھوا (بیوہ) ہو جاتی ہے اور اسکی دوبارہ کوئی شادی نہیں ہوتی اور اس بیچاری کو تن تنہا اپنی زندگی کے دن کاٹنے پڑتے ہیں۔ وہ اسطرح تڑپتی ہے جیسے مچھلی بن پانی۔ دوسرے ہمارے مہربان بھائی انکے ساتھ بہت ہی برا سلوک کرتے ہیں۔ جبدن سے وہ ودھوا ہوئی اس کیلئے اُسی دن سے دنیا کے سب آرام کافور ہو جاتے ہیں۔ نہ انکو اچھا کپڑا نہ اچھا زیور نہ ہی اچھا کھانا دیا جاتا ہے۔ کوئی عیش و آرام ان کیلئے نہیں ہے۔ گھر والے اسکو نہ رنگدار کپڑا پہننے دیتے ہیں نہ ہی آنکھوں میں سرمہ لگانے دیتے ہیں۔ دیکھئے صاحب! ایک مصیبت تو ان پر قدرت کیطرف کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ دوسری طرف ہندوں کی طرف سے بجائے اسکے کہ وہ ان سے مہر کا سلوک کریں انکو تسلی دیں۔ یہ اُلٹی ان سے بدسلوکی کر کے انکے دلوں کو دُکھا رہے ہیں نہ اس سے بات چیت کر کے خوش ہیں اور نہ ہی آنکھوں کے سامنے دیکھکر + + +

جب انسان* کو دوسرا بیاہ کروا لینے کا حق ہے؎۲ تو انکو کیوں یہ حق حاصل نہیں ہے کیا آدمی* میں

؎۱ مگر یہ ظلم سکھایا کسنے! سوامی جی نے۔ ؎۲ سوامی دیانند نے خوب انصاف کیا کہ دونوں (رنڈوے مرد اور رانڈ عورت) کو اس قدرتی حق سے محروم کر دیا۔ سماجیو! یہ بدگمان اگر سوامی جی کے حق میں یہ

* انسان اور آدمی سے مراد مرد ہے (آرین اُردو)۔ مصنف۔

سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ وہ تو دوسری دفعہ شادی کرالیں اور عورتیں بیچاری یونہی کتے کی موت سر بھٹکتی ماری ماری پھریں۔ میرا دل اُسوقت بیقرار ہو جاتا ہے کلیجہ دھڑکنے لگجاتا ہے کہ جب میرے پاس سے یا سامنے سے ایک نوجوان کومل اور خوبصورت بدن والی بیوہ عورت گذرتی ہے اسکا چہرہ مرجھائے ہوئے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ عورت کو تن تنہا زندگی بسر کرنی محال بلکہ بلائے جان ہے + جب وہ مصیبت کی ماری ہوئی اپنی حالت پر غور کرتی ہیں تو ان کے دلوں سے درد و فغاں کا دھواں نکلتا ہے وہ آسمان پر جا کر عرش عظیم کو ہلا دیتا ہے تو پڑا تما ہماری ہند قوم پر بار بار قحط اور وباء ڈالتا ہے لیکن یہ بدبخت اسوقت بھی اپنے کان پر جوں نہیں ہلنے دیتے اسیطرح ان بیچاریوں کے ساتھ ظلم کرتے چلے جاتے ہیں انکی نوجوانی کی حالت پر کبھی بھولکر بھی غور نہیں فرماتے کہ یہ بیچاری اپنے دنوں کو کسطرح کاٹ رہی ہیں۔ ان کیلئے کام دیو کا وہ کنا کیا محال ہو رہا ہے اُن کی فریاد رسی نہیں کرتے بڑے بڑے پنڈت پہلے زمانہ کی لکیر کے فقیر ہو رہے ہیں ست جگ کے زمانہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اب کلجگ کے اندر بھی یہی چاہتے ہیں کہ ودھوائیں صبر صبوری سے کام لیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ زمانہ گذر گیا ہے جبکہ ودھوائیں اپنے شوہر کے ساتھ زندہ جلکر اپنے آپ کو خاک سیاہ کرتی تھیں مندرجہ بالا نقائص کو دیکھکر ہندو قوم کو چاہئے کہ بیچاری بیکس وبے بس ودھواؤں کے حال پر مہربانی کریں اور ان کے دن کٹانے کیلئے کوئی تدبیر سوچیں۔ وہ تدبیر یہ ہے کہ اُنکا جو کہ ۳۰ سال تک کی عمر کی ودھوائیں ہوں اور وہ شادی کرانا چاہیں اُنکا پنر بواہ کر دیا جائے جیسا کہ آجکل لاہور کے اندر لالہ لاجپت رائے ساہنی نے پنر بواہوں (شادی بیوگان) کیلئے ایک یتیم خانہ کھولا ہوا ہے وہاں پر ہر ایک قوم کی ودھواؤں کے پنر بواہ کئے جاتے ہیں۔ اور ضلع جالندھر میں جناب پرنسپل صاحب پنڈت جے چند جی اور ضلع ہوشیارپور میں جناب پرنسپل صاحب لالہ دیوی چند جی ودھواؤں کی حالت پر نظر شفقت فرما رہے ہیں انکی فریاد رسی کر رہے ہیں۔ قصبہ خانخاناں میں بھی اس امر کے متعلق بڑے زور شور سے کوشش کیجارہی ہے۔ پس ہمارے ہر ہند و بھائی کو لازم ہے کہ جسطرح سماج اس کام میں بڑے شوق سے حصہ لے رہی اسیطرح آپ بھی کوشش کریں۔ ودھواؤں کیلئے لائق

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ | شعر پڑھیں تو بجا ہے یا نہیں ؎

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کرینگے فریاد
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

(مصنف)

اور بر سر روزگار پرش تلاش کرکے ان کیلئے ہر طرح سہولت مہیا کریں اور جگہ جگہ پُنر بواہ (نکاح بیوگان) کریں اور ملک کو اس رسم بد[ل] سے نجات دلائیں۔" (۳۰ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۱)

معزز ناظرین! یہ تو ہے سماجی مرثیہ نثر میں۔ اسکے متعلق اسلامی مرثیہ نظم میں سنئے جو مولانا فقیر مرحوم دہلوی کا لکھا ہوا ہے۔

یہ بھی ہوتا ہے بحالِ بیوگی — کرتی ہے عورت سے عورت دل لگی
رہتی ہیں دونوں وہ مشغولِ گناہ — ہوتی ہیں دونوں جہاں میں روسیاہ
ہو چکا ہے اس طرح بھی ماجرا — بھائی سے بچہ بہن نے جن لیا
اور بہت تدبیریں کیں اسقاط کی — کب ہوا آخر اسی میں مر گئی
واقعی قصہ ہے یہ جھوٹا نہیں — کیا ہمارے سامنے گذرا نہیں
اور کبھی نظارہ بازی میں ہیں وہ — خواہشوں کی کارسازی میں ہیں وہ
دل لگی کی دن میں باتیں اُنکی ہیں — قصہ گوئی میں وہ راتیں اُن کی ہیں
عاشق و معشوق کے قصے بہت — ہاں سنو اُن کی زبانوں سے بہت
کچھ مٹا لیتی ہیں یوں دل کی ہوس — پر کہاں مٹ سکتی ہے پوری ہوس
غزلیں گاتی ہیں وہ مستانی غضب — اور جوانی اُن کی دیوانی غضب
ایسی دیوانی جوانی اُن کی ہے — جو حیا پر سنگ باری کرتی ہے
اُن کے وارث اندھے بہرے ہیں کہیں — کیا وہ کچھ بھی دیکھتے سنتے نہیں
یہ نہیں تو ہیں ضرور اُن پر وبال — بدخیالات اُن کے دامنگیر حال
کیونکہ بیوہ ہوتی ہے جو زن جوان — اس تصور میں ہے بے تاب و توان
عشق مردوں کے تصور میں ہے وہ — رات دن اس سے تحیر میں ہے وہ
یا الٰہی سب تو شوہر دار ہیں — ہوں جو بے شوہر تو ہاں بس ایک میں
کچھ نہیں یہ تیری رحمت سے بعید — کر دے میری رات کو بھی صبحِ عید
باکرہ نا دیدہ شوہر کو ہاں — اس قدر جوش تصور ہے کہاں
جو ہے شوہر دیدہ بیوہ کا حال — کچھ نہ پوچھو ہے بیان اُسکا محال

لہ تعلیم کردہ سوامی دیانند؟ (مصنف)

کیونکہ جو دیکھا تھا اُسنے روز و شب
اُسکو پاس اپنے نہیں پاتی وہ اب

پھر تو اُسکے دل سے پوچھا چاہئے
غمزدہ کیوں ہے تجھے کیا چاہئے؟

پوچھکر دیکھے جو کوئی غمگسار
کس قدر روئیگی پھر وہ زار زار

بے زباں کا زور آنکھوں پر ہے بس
ہائے اُسکا کون ہے فریاد رس

یا خدا فریاد اُنکی ہو قبول
راحتِ دارین ہو اُنکو حصول

آریہ متر و! کیا یہ سچ ہے "جہاں سائنس جائیگا وہاں ویدک جھنڈا پہلے لہرائیگا" کیا سائنس یہی بتاتا ہے جو سوامی جی فرماتے ہیں؟ دیکھا نا؟ پانی اپنا راستہ آپ بناتا ہے۔ سائنس سے ویدک جھنڈا پہلے اُڑانے والو!

"اپنے جھنڈے کی مرمت کراؤ"

سماجیو! ؎ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آریوں نے سوامی جی کی اس تعلیم کو کہاں تک چھوڑا۔ اسکا کچھ حال اوپر کے منقولہ مضمون سے معلوم ہوا کچھ ان کی کوششوں سے معلوم ہو سکتا ہے جو نکاح بیوگان کے متعلق کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ انجمنیں بنا رہے ہیں جو شادی بیوگان کرانے میں کوشش کرتی ہیں۔ اور اُن کی رپورٹیں آریہ اخباروں میں بڑے فخر سے چھپتی ہیں۔ چنانچہ تازہ رپورٹ جو اخبار آریہ گزٹ لاہور میں چھپی ہے درج ذیل ہے۔

"ددھوا دواہ سہائک سبھا لاہور کا کام" ددھوا بواہ سہائک سبھا لاہور اور اسکی مختلف برانچوں اور اسی لائن پر ملکر کام کرنیوالی سبھاؤں اور فرداً فرداً کارکنان کی طرف سے ماہ جولائی میں ۲۳ شادی بیوگان کی رپورٹ سبھا ہذا میں موصول ہوئی ہے جنکو شامل کرکے سال رواں میں (یکم جنوری سے آخر جولائی ۱۹۲۵ء تک) ۵۰ ۱۲ پنر لواہوں کی رپورٹیں آچکی ہیں۔ ذاتوں کے لحاظ سے ان کی تفصیل حسب

ذیل ہے۔ برہمن ۲۳۳ ۔ کھتری ۲۹۰ ۔ اروڑا ۲۲۹ ۔ اگروال ۸۰ ۔
کالیتھ ۲۸ ۔ راجپوت ۸۳ ۔ سکھ ۹۲ ۔ متفرق ۲۱۴ ۔ میزان ۱۲۵۰ ۔
صوبجات کے لحاظ سے انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔ پنجاب وشمال مغربی صوبجات
۹۵۳ ۔ سندھ ۳۲ ۔ دہلی ۳۲ ۔ صوبجات متحدہ آگرہ واودھ ۱۷۶ ۔ بنگال ۳۰ ۔
مدراس ۸ ۔ بمبئی ۷ ۔ صوبجات متوسط ۲ ۔ راجپوتانہ ۵ ۔ حیدرآباد دکن ۵ ۔ میزان ۱۲۵۰ ۔"
(آریہ گزٹ ۱۲ بھادوں ۲۷ اگست ۱۹۲۵ء ص ۱۲)

سماجی مترو! سچ کہنا اور پرماتما کو سامنے سمجھکر کہنا۔ اپنے چوتھے اصول کو یاد کرکے بتانا کہ تم لوگ جو شادی بیوگان کو رواج دے رہے ہو یہ دراصل اشاعت اسلام کر رہے ہو یا آریہ دھرم پھیلا رہے ہو؟ کیا خوب ؎

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

آہ! کسقدر ناشکری ہے کہ اسلام ہی سے اعلےٰ اخلاق سیکھیں اور اسلام ہی کو کوسیں کیا سچ ہے ؎ کس نآموخت علم تیر ازمن — کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

آریہ نوجوانو! انصاف سے کہنا ہم نے جو جو احکام سوامی جی کے نقل کئے ہیں کیا آپ لوگ اپنے علم سے ان کو صحیح جانتے ہیں؟ صحیح جاننے کی صورت میں تسلیم کرتے رہو تو ہمیں صرف تمہارے فہم کا گلہ ہوگا۔ اور اگر غیر صحیح جانکر بھی مانتے جاؤ تو تمہاری دیانت اور معقول پسندی پر افسوس ہوگا۔ اسلئے آپ لوگوں سے امید ہے کہ اپنی معقول پسندی کا ثبوت دینگے ؎

میرے دل کو دیکھکر میری وفا کو دیکھکر
بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھکر

اطلاع آریوں کے بعید از عقل اور دور از فلسفۂ قدرت مسئلہ نیوگ۔ نیز نکاح بیوگان پر ہمارا ایک رسالہ مستقل ہے جسکا نام ہے "شادی بیوگان اور نیوگ"

تمام شد

خادم آریا **ابو الوفا ثناء اللہ** امرتسری۔

کتب خانہ ثنائی امرتسر کی مختصر فہرست کتب

قادیانی مشن

شہادۃ القرآن ۔ اثبات حیات مسیح میں بے نظیر کتاب حصہ اول ۱۴ر حصہ دوم عہ، دونوں کے خریدار کو محصول ڈاک معاف ۔

الہامات مرزا ۔ الہاموں کی کافی تردید ۱۲ر

مرقع قادیانی ۔ مرزا صاحب قادیانی کی تردید ۶ر

تاریخ مرزا ۸ر فتح ربانی ۔ قیمت ۶ر

نکاح مرزا ۔ آسمانی نکاح مرزا کی تفصیل ۲ر

شاہ انگلستان اور مرزا قادیان ۲ر

فاتح قادیان ۔ مرزا صاحب کے آخری فیصلہ پر مفصل الہامی مباحثہ لودھیانہ ۶ر

فسخ نکاح مرزائیان ۔ متفقہ فتوے علمائے اسلام ۳ر

عقائد مرزا ۔ مفید رسالہ ۱ر

شہادات مرزا ۔ مرزائی تردید ۴ر

فیصلہ آسمانی ۔ قیمت ہر حصہ عہ

الخبر الصحیح ۔ قبر مسیح کی تحقیق ۲ر

(آریہ مشن)

حق پرکاش ۔ بجواب ستیارتھ پرکاش عہ

ترک اسلام ۔ دھرمپال کے ترک کا جواب ۱۲ر

الہامی کتاب ۔ قرآن کے الہامی ہونیکا ثبوت عہ

بحث تناسخ ۔ تناسخ پر مکمل بحث ۴ر

ثمرات تناسخ ۔ تناسخ کے نتائج ۶ر

حدوث وید ۔ ویدونکی قدامت کا رد اور حدوث کا ثبوت ۔ ۲ر

حدوث دنیا ۔ دنیا کے حدوث کا ثبوت ۳ر

الہام ۔ الہام پر بحث ۲ر

شادی بیوگان اور نیوگ ۔ ۲ر

مناظرہ خورجہ ۔ خورجہ کی مصدقہ بحث آریوں سے ۴ر

مناظرہ جبلپور ۔ آریوں سے ۴ر

القرآن العظیم ۔ قرآن اور وید کا مقابلہ ۳ر

تبر اسلام ۔ بجواب نخل اسلام دھرمپال ۶ر

جہاد وید ۔ ویدوں سے جہاد کا ثبوت ۴ر

مباحثہ گوشت خوری ۔ ۶ر

مقدس رسول ۔ آریوں کے زہریلے رسالہ رنگیلا رسول کا مدلل و معقول جواب ۱۰ر

(متعلقہ اہل حدیث)

اہل حدیث کا مذہب ۔ اہل حدیث کے مسائل کا بیان ۸ر

تقلید شخصی و سلفی ۔ جسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ سلف صالحین صرف قرآن و حدیث کو نصب العین بناتے تھے ۷

حدیث نبوی اور تقلید شخصی - دونوں مضامین پر دلچسپ بحث ۴ر

علم الفقہ - مسائل فقہ کی تنقید ۳ر

آمین رفعیدین دونوں مسئلوں کا ثبوت ۲ر

فتوحات اہلحدیث - ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات بحق اہل حدیث - ۸ر

اجتہاد و تقلید - دونوں مسائل پر مفصل اور دلچسپ بحث - ۸ر

(متعلقہ عام اہل اسلام)

تعلیم القرآن - بالاجمال قرآن شریف کی تعلیم کا بیان ۲ر

قرآن اور دیگر کتب بمقابلہ دکھایا ہے ۲ر

اسلامی تاریخ - آنحضرت صلعم کے حالات بطرز حکایات - ۳ر

خصائل النبی - ترجمہ شمائل ترمذی ۲ر

السلام علیکم - اسلامی سلام کے احکام ۲ر

ہدایت الزوجین - بیوی خاوند کے احکام نکاح و طلاق کے مسائل - ۲ر

کلمۂ طیبہ - کلمہ شریف کی تفسیر ۲ر

توحید و تثلیث - دونوں مضامین ۳ر

حضرت محمد رشی وید انجیل اور توریت سے نبوت کا ثبوت ۳ر

ادب العرب - عربی صرف نحو اردو میں ۸ر

رسوم اسلامیہ - رسوم بدعیہ کا رد ۲ر

تقابل ثلاثہ - توریت - انجیل اور قرآن کا مقابلہ عہ

دلیل الفرقان - اہلقرآن کے رسالہ متعلقہ نماز کا مکمل جواب - - ۴ر

ام القرےٰ - مکہ معظمہ کی فضیلت ۸ر

خلافت محمدیہ - شیعوں کی تردید میں لاجواب رسالہ - - - ۸ر

عصمت النبی - آنحضرت کی پاکدامنی کا مکمل ثبوت - - ۳ر

عزت کی زندگی - وہ احکام جن سے عزت کی زندگی حاصل ہو ۲ر

میل و ملاپ - اتحاد کا سبق دینے والا رسالہ - - ۴ر

لغاۃ القرآن - جملہ الفاظ قرآنی کی تحقیق انیق - - عہ

البرہان العجاب - سورہ فاتحہ خلف امام کی تائید - - ۸ر

فقہ اور فقیہ - جس میں فقہ - اصول فقہ اور فقیہ پر مفصل بحث کیگئی ہے ۴ر

کتاب الروح - اس کتاب میں روح انسانی کے متعلق عجیب غریب معلومات درج ہیں عہ

ملنے کا پتہ

منیجر دفتر اخبار اہل حدیث امرتسر (پنجاب)

قُل یٰایّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعاً

احمد اللہ

کہ

رسالہ

حضرت

محمد رشی

علیہ السلام

جس میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی نبوۃ کا ثبوت وید۔ اور توریت۔ اور انجیل سے دیا گیا ہے

بفرمائش

مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل) امرتسری پبلشر

سنہ ۱۹۲۳ء

بمطبع روز بازار ہال بازار امرتسر میں باہتمام منشی عبد الکریم پرنٹر کے چھپا

قیمت ۳/ محل وصول دفتر اہلحدیث امرتسر محصول علاوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت

محمدؐ رشی

(علیہ السلام)

دیباچہ

ہم مسلمانوں کا دعوے ہے۔ کہ دنیا میں خدا تعالےٰ کیطرف سے مختلف اوقات میں بشیر و نذیر آتے رہے۔ جو دنیا کے لوگوں کو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں وعظ نصیحت کرتے رہے۔ جن کو نبی۔ رسول۔ رشی منی۔ ولی۔ شہید وغیرہ ناموں سے آج دنیا موسوم کرتی ہے۔ اس سلسلہ کے سب سے بڑے نبی یا رشی بلکہ مہا رشی سید الانبیا حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو خدا کے حکم سے دین اسلام کے دنیا میں پھیلانے والے ہیں۔ آنحضرتؐ عرب کے مشہور شہر مکہ شریف میں ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ نیک بختی اور پارسائی کے ساتھ جب ۴۰ سال کی عمر کو پہنچے تو خدا تعالےٰ کیطرف سے آپ کو سلسلہ نبوت کا سرتاج بنایا گیا۔ آپ نے خدا کے حکم سے اس بات کا اعلان فرمایا۔ کہ پہلے نبیوں۔ رشیوں نے میرے آنے کی خبر دی ہے۔ اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰتِ وَالْاِنْجِیْلِ (یعنی محمدؐ رشی نبی کا ذکر توریت انجیل وغیرہ میں لکھا

ہوا ہے) موجودہ توریت۔ انجیل میں گو انسانی کلام کی ملاوٹ نظر آتی ہے تاہم اصل کلام الٰہی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اسی طرح وید میں گو مختلف قسم کے اشعار ہیں جو مختلف متکلموں کے مختلف خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم ان میں بھی اصلیت کا نشان ملتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت محمدؐ رشی صلے اللہ علیہ وسلم کی بابت وید میں بھی خبر ملتی ہے۔ اس مضمون پر کئی ایک علماء نے رسائل لکھے ہیں۔ سب سے آخری رسالہ اس بارہ میں مولٰنا ابراہیم سیالکوٹی کا **بشارات محمدیہ** ہے۔ جس کو زمانہ رواں کی ضرورت کے مطابق اختصار کرکے ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

نوٹ:۔ اس رسالہ میں ہم نے صرف **وید۔ توریت اور انجیل** تینوں کتابوں سے پیشگوئیاں نقل کی ہیں۔

فیصلہ کن صورت

آجکل ہندوستان میں بڑے تینوں مذہبوں میں سخت مقابلہ ہو رہا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر ان مذاہب کے حامی محض خدا کے لئے مقابلہ کرتے ہونگے۔ تو یہ رسالہ ان کو بہت مفید ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کی جڑ بنیاد اُن کے مُلہَم کی راستی ہے۔ اگر وہ سچا ہو تو اس کا مذہب سچا ہے۔ نہیں تو نہیں۔ چونکہ ان پیشگوئیوں سے ثابت ہوگا کہ حضرت **محمد** رشی صلے اللہ علیہ وآلہ سلم خدا کے ملہم ہیں۔ اس لئے اُن کا مذہب (اسلام) بھی سچا ہے۔ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ**

؎۱ رشی کے معنی ہیں بزرگ۔ مقدس ۱۲ منہ

حضرت محمد رشی صلے اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئی

سام وید میں

آپ کا نام مبارک خاص طور پر ذکر کر کے اس طرح کی گئی ہے :۔
"(۱) وہ ہر مقدس رسم کا مربی (۲) رعد والا۔ (۳) نہایت تعریف کیا گیا۔" اندر" (۴) قلعوں کا توڑنے والا۔ جوان۔ عقیل۔ بے انداز قوت کا پیدا کیا گیا۔ (۵) تو نے اے پتھر رکھنے والے والا کے گایوں سے مالا مال گڑھے کو پھاڑا۔ یہ دیوتا دباتے ہوئے تیرے پہلو میں آئے اور خوف سے آزاد ہو کر انہوں نے تیری مدد کی۔ (۶) انہوں نے دعا کے بھجنوں کے ساتھ اس اندر کی شان بیان کی۔ جو اپنی قوت سے حکومت کرتا ہے۔ جس کے ہزاروں بلکہ اس سے بھی کہیں کثرت سے عطیے آتے ہیں۔ (سام وید۔ دوسرا حصہ باب پنجم فصل اول پرپاٹھک بستم صفحہ ۱۲۵ مترجمہ بابو پیارے لال صاحب زمیندار بردکھا مطبوعہ ودیا ساگر پریس بردکھا ضلع علیگڈھ سنہ ۱۸۹۶ء)"

اس عبارت میں جسقدر اوصاف و کمالات ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ سب کے سب پورے حضرت محمد رشی میں پائے جاتے ہیں۔ اور آپ کے سوا کوئی اور شخص ایسا نہیں جس میں یہ سب وصف اجتماعی طور پر پائے جائیں نہ آپ سے پہلے ہوا۔ نہ بعد۔ لہذا اس بشارت و تعریف کا مصداق آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہم ان اوصاف کا آپ میں پورا پورا پایا جانا ثابت کرتے ہیں۔ اس عبارت میں ممدوح کا وصف اول یہ بیان کیا گیا ہے :۔

ہر مقدس رسم کا مربی

اس وصف کو ہم کامل طور پر آپ میں دیکھتے ہیں۔ اور منکرین بھی شہادت دیتے ہیں۔ کہ آپ ہر نیک اور پاک رسم کی تائید اور اشاعت کرنے والے تھے۔ نہ صرف زبانی۔ بلکہ عملی طور پر بھی کر کے دکھانے والے تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں ہر بری رسم کی مذمت کرنے والے بلکہ مٹانے والے تھے۔ ملک عرب کو جملہ خرابیوں سے حضرت محمد رشی نے پاک صاف کر کے خدائے قدوس کے دربار میں ان کو جھکا دیا۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے۔

سو واضح ہو کہ نیکی کا سب سے اعلیٰ رکن توحید الٰہی ہے۔ (ذات میں۔ صفات میں اور استحقاق عبادت میں) اس کے جاری اور قائم کرنے۔ اور اس کی ضد یعنی شرک کے مٹانے میں جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی۔ اس کی نظیر کہیں پائی نہیں گئی۔ اس کے تعلیمی ثبوت کے لئے قرآن شریف کا مطالعہ کرو۔ جو توحید کی تعلیم اور شرک کی مذمت سے بھرا پڑا ہے[۱]۔ اور عملی ثبوت کے لئے آپ کا اطمینان خاطر اور حضور قلب سے نماز پڑھنا۔ اور امت میں اس عادت کو تاکیدی طور پر چھوڑنا کافی ثبوت ہے۔ اور شرک کے مٹانے کا عملی ثبوت مانگو تو فتح مکہ پر آپ کا اپنے دست مبارک سے بتوں کو توڑنا اور کعبۃ اللہ کو ان سے خالی کر کے اسے عبادت الٰہی کے لئے خالص کرنے کو دیکھ لو۔

نیکی کا دوسرا رکن اخلاق فاضلہ ہیں۔ اور ان کا ظہور یا تو اپنی عادات میں ہوتا ہے۔ یا دوسروں کے تعلقات و معاملات میں۔ سو اس کے متعلق بھی آپ نے ہر پہلو سے کامل تعلیم کی۔ اور خود عملی طور پر کر کے دکھا دیا۔ مثلاً صدق و دیانت عفت و حیا۔ جود و سخا۔ علم و تواضع۔ شفقت و رحمت۔ عفو و کرم۔ ماتحتوں اور زیر دستوں سے رفق و ملائمت۔ مظلوموں کی دادرسی۔ یتیموں کی پرورش

---

[۱] اس مضمون میں مختصر رسالہ کلمۂ طیبہ دفتر اہلحدیث امرتسر سے بقیمت ۲ مطالعہ کریں (منیجر)

بیوگان کی خبرگیری دوستوں اور دشمنوں سے کشادہ پیشانی اور فراخدلی سے پیش آنا۔ معاملات میں دوست و دشمن ہر دو کے ساتھ عدل و انصاف سے برتنا جانب حق کی رعائت کرنا۔ ناحق پر کسی کا ساتھ نہ دینا۔ دشمنوں سے سلوک و مہربانی۔ دوستوں کی مدارات و خاطرداری۔ بحث و مناظرہ میں محض اصلاح خلق کو مدنظر رکھنا۔ خود سخت زبانی سے پرہیز کرنا اور دوسرں کی سختی کو بڑے حوصلہ سے برداشت کرنا۔ سب سے شیریں زبانی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ برائیوں سے نفرت۔ بیحیائیوں سے کراہت۔ جبر و تعدی سے پرہیز۔ غرض جملہ اخلاق فاضلہ اور عادات صالحہ کی تعلیم کامل طور پر حضرت محمدؐ رشی نے فرمائی۔ اور خود پورے طور پر اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ ایسا کہ اس وقت سے آجتک مخالفین کو بھی سوائے تسلیم کے کوئی راہ نہ ملی۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب "اخلاق محمدی" کا مطالعہ کریں۔

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ مقدس کا دوسرا وصف

رعدوالا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ ایسا صاحب سیاست و بارعب ہوگا۔ کہ مخالفین اس سے دبینگے۔ اور خوف کھائینگے۔ اور رعد کیطرح دور دور تک اس کی ہیبت ہوگی۔ یہ وصف بھی آپ میں کامل طور پر پایا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر ظاہر ہے۔ کہ آپ نہائت شجاع۔ بہادر اور جوانمرد تھے۔ اور مقابلہ کے وقت مخالفین پر آپ کا رعب و خوف چھا جاتا تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ جن لوگوں کو آپ سے نہایت بے تکلفی اور اکثر صحبت رہتی۔ مجلس میں وہ بھی آپ سے ہیبت کھاتے حالانکہ آپ نہائت شیریں زبان اور نرم طبع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے شجاع اور جری مرد کے کئی واقعات ایسے ہیں۔ جن سے یہ امر بخوبی ظاہر ہے۔ اور یورپ کے مصنفین نے بھی اسے تسلیم کیا ہے +

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ مقدس کے لئے تیسرا امر یہ ذکر کیا گیا ہے

نہائت تعریف کیا گیا

اس امر پر ہم کو زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو ترجمہ آپ کے نام پاک محمدؐ ہے۔ کیونکہ محمدؐ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ مصدر تحمید سے جس کے معنے ہیں بہت تعریف کرنا۔ پس محمدؐ (اسم مفعول) کے معنے ہوئے "نہائت تعریف کیا گیا"۔

کیا اس سے زیادہ وضاحت اور صفائی سے بھی کوئی امر بیان ہو سکتا ہے۔ کہ کسی شخص کی تعریف و تعیین کے لئے اس کا نام اور اوصاف ہر دو امر ذکر کئے جائیں۔ تاکہ اگر کوئی دوسرا شخص نام میں شریک ہو۔ تو وہ مقصود شخص اپنے اوصاف کے سبب متمیز ہو جائے۔ اور اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف کسی دیگر میں بھی پایا جائے۔ اور کسی کو پہچان و عرفان میں التباس و اشتباہ واقع ہو۔ تو نام کی تعیین سے معلوم ہو جائے۔

اب ہم تمام ہندوؤں خصوصاً مذہبی تحقیق میں دم مارنے والے آریہ صاحبان سے نہائت محبت سے پوچھتے ہیں۔ کیا وہ مخلوق میں سے حضرت محمدؐ رشی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا شخص بتا سکتے ہیں۔ جس کا نام محمدؐ (بہت تعریف کیا گیا) ہو۔ اور اس میں جمیع کمالات و صفات مذکورہ سام وید پائے گئے ہوں۔ یا پائے جاتے ہوں ؎

بس تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اگر تلاش کرنے اور علم تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے پر انکو کسی ایسے شخص کا پتہ نہ ملے۔ اور ہم بالکل یقین سے کہتے ہیں۔ کہ ان کو ہرگز ہرگز نہیں ملیگا۔ تو ان کو چاہئے۔ کہ اس برگزیدہ خدا کو جس کی بشارت و تعریف اور اسم گرامی وہ اپنی اس کتاب میں پاتے ہیں جسے وہ سب سے پرانی اور ابتدائے دنیا سے اور خدا کیطرف سے الہامی مانتے ہیں۔ بڑی خوشی سے قبول کر لیں۔

اور حضرت محمدؐ رشی پر صدق دل سے ایمان لاکر اور آپ کا اتباع و اطاعت کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ ؎

مرادِ ما نصیحت بود کردیم حوالت با خدا کردیم و رفتیم

سام وید کی عبارت میں اس مقدس برگزیدہ کی صفت میں تیسرا لفظ **اِندر** ہے۔ جس کے معنے ہیں صاحب اقبال۔ اور حضرت محمدؐ رشی کا صاحب اقبال ہونا ایسا ظاہر اور روشن ہے۔ کہ مخالف موافق ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ آپؐ کی پاک زندگی کے حالات ولادت سے وفات تک ایسے صحیح طور پر ثابت اور مشہور ہیں۔ کہ آجتک کسی شخص کی سوانحعمری اس تفصیل کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔ یتیمی کی حالت میں پرورش پانا۔ اور پھر تبلیغ احکام الٰہی کے باعث رشتہ داروں اور ہموطنوں کا دشمن ہوجانا۔ طرح طرح کی اذیتیں سہنا اور آخر کار اپنے ارادے میں کامیاب ہونا۔ اور فتح مکہ پر مخالفین کا مغلوب ہوکر آپؐ سے عذر خواہی کرنا۔ اور آپؐ کا سب کو معاف کر دینا۔ اور اپنی زندگی میں عرب کے سرداروں اور شہزادوں کا اپنے فرمان کا مطیع و منقاد دیکھ لینا۔ اور دور تک آپ کا رعب چھا جانا اس صفت "اندرہم" کو آپ کے حق میں صاف ثابت کر رہا ہے۔ لہٰذا زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں +

سوامی دیانند جی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب میں اسمار الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے "اِندر" بھی اسمار الٰہی میں سے ایک اسم ذکر کیا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ سب سے بڑھکر جاہ و حشمت والا ہے۔ شاید کوئی یہ کہدے کہ اس عبارت سام وید میں جبپر ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں۔ "اِندرہم" سے

ؔ اندر سے مراد یہاں خدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ "جوان" کا لفظ بھی ہے۔ جو خدا کی شان میں نہیں آسکتا +

مراد خدا تعالےٰ ہے۔ لہٰذا اس شبہ کو دور کرنا ضروری ہؤا۔

سوامی دیانند جی نے اسی باب کے شروع میں اس سوال کے جواب میں کہ خدا تعالےٰ کی صفات کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو لغت کے رو سے دیگر اشیاء پر بھی مستعمل ہو سکتے ہیں۔ تو ہم کسی موقعہ پر اس صفت کو خدا تعالےٰ سے کس طرح مخصوص کر سکتے ہیں۔ بیان کیا ہے۔ کہ جس لفظ کے کئی معنے ہوں۔ اس کو ایک معنے میں خاص کرنے کے لئے سلسلہ کلام اور قرائن پر نظر کرنی چاہیئے۔ اور جیسا موقع ہو ویسے معنے مراد لینے چاہئیں سوامی جی کا یہ بیان معقول ہے۔ اور ہم کو اس سے اتفاق ہے۔ پس ہم اس عبارت سام وید میں بھی اسی قاعدہ بیان کردہ سوامی جی سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ اس عبارت میں پہلی دفعہ جو لفظ "اندر" آیا ہے۔ اس سے مراد خدا تعالےٰ نہیں۔ بلکہ اس کی مخلوق میں سے کوئی برگزیدہ صاحب اقبال شخص مراد ہے۔ اور دوسری دفعہ جو لفظ اندر وارد ہؤا ہے بیشک اس سے خدا تعالےٰ مراد ہے۔ کیونکہ اول تو اس اندر کی صفت میں اس سے آگے "جوان" کہا گیا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی صفت نہیں۔ بلکہ اسکی مخلوق میں سے کسی شخص کی ہو سکتی ہے۔ دوم اس لئے۔ کہ اس کی صفت میں کہا گیا ہے۔ "بے اندازہ قوت کا پیدا کیا گیا"۔ اور یہ صفت ہمارے مدعا کو ایسا صاف ثابت کرتی ہے۔ کہ محتاج تفصیل نہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ "سب کا پیدا کرنے والا ہے"۔ نہ کہ "پیدا کیا گیا"۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ (پ ۲۴۔ زمر) یعنی "اللہ ہی سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی ہر شے کا کارساز ہے"۔

اس بیان سے صاف ثابت ہوگیا۔ کہ اس مقام پر لفظ اندر سے مخلوق خدا میں سے کوئی شخص ہے۔ اور چونکہ پچھلے بیان میں ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس لئے آپ کے سوا اور کوئی مراد نہیں ہو سکتا۔

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی پانچویں صفت :-

قلعوں کا توڑنے والا بیان کی گئی ہے۔ یہ صفت بھی حضرت محمد رشی کو پوری پوری حاصل ہے۔ کیونکہ آپنے عرب کے ایسے محکم قلعے فتح کئے۔ جو کبھی بھی کسی سے فتح نہ ہو سکے تھے۔ اور ان قلعہ گزینوں کو بھی اپنے قلعوں کی مضبوطی اور رستوں کی دشوارگذاری اور کبھی بھی کسی سے فتح نہ ہونے کی وجہ سے ایسا گھمنڈ اور گمان تھا۔ کہ وہ کبھی بھی مفتوح نہیں ہو سکینگے۔ چنانچہ خداتعالےٰ نے قرآن شریف میں خیبر (عرب) کے محکم قلعوں اور اُن کے رہنے والے اہل کتاب کے گمان بلکہ ان کی مضبوطی کی نسبت خود مسلمانوں کے خیال اس طرح بیان کیا ہے۔ " وہ خدا ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے لئے نکال باہر کیا۔ مسلمانو! تم کو تو گمان بھی نہ تھا۔ کہ وہ کبھی نکلینگے۔ اور وہ بھی اس خیال میں تھے۔ کہ اُن کو (خدا کی پکڑ) سے بچا لینگے۔ تو جدھر سے اُن کو گمان بھی نہ تھا۔ خدا (کے لشکر) نے دن کو آلیا۔ اور اُن کے دلوں میں (مسلمانوں کی) دھاک۔ ڈالدی کہ لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے۔ تو اے لوگو جن کی آنکھیں ہیں۔ (اس واقعہ سے) عبرت پکڑو۔"

هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ (حشر پ ۲۸ ع ۱)

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی نسبت چھٹا وصف اس کا :-

جوان ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد جوانمرد اور شجاع اور دلاور اور بہادر ہونا ہے۔ کیونکہ جوانی کی عمر کو پہنچنا کوئی کمال نہیں۔ بلکہ لوازماتِ جوانی یعنی شجاعت۔ بہادری۔ جوانمردی و دلاوری اور بلند ہمتی

واستقلال مزاج اور مصائب میں ہمت نہ ہارنا اچھے اوصاف اور قابل مدح کمالات ہیں اور یہ سب صفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے۔ حضرت محمدؐ کی شجاعت کے اثبات میں صرف اتنا ذکر کر دینا کافی ہے۔ کہ بہت سی جنگوں میں آپ بہ نفس نفیس شامل ہوتے رہے۔ اور بڑی جوانمردی سے مخالفین کے مقابلہ میں قائم رہتے رہے۔ اور کبھی بھی پس پا نہ ہوئے۔ اور استقلال مزاج اور بلند ہمتی تو ایسی عیاں ہے۔ کہ محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ قوم اور ہموطنوں کی مخالفت اور ہر روز کی اذیت و تکلیف رسانی سے گھبرا کر کبھی بھی آپ اپنی ڈیوٹی تبلیغ حق سے قاصر نہیں رہے۔ اور اس امر کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے اور تسلیم کیوں نہ کریں۔ واقعات اور آخر کار آپ کا اپنے جملہ مقاصد میں کامیاب ہونا اور اپنے دست مبارک سے اسلام کا تخم لگا کر اس کے درخت کو زندگی ہی میں بار آور دیکھ لینا مخالفوں کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ امید ہے منکرین انصاف سے غور کریں گے۔

سام وید کی عبارت میں اس برگزیدۂ خدا کی ساتویں صفت :۔

عقیل

بیان کی گئی ہے۔ عقل خدا کی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور جس کسی پر یہ نعمت زیادہ ہو۔ وہ اپنے ہم جنسوں میں زیادہ ممتاز ہوتا ہے عقل کے متعلق دو قوتیں ہیں۔ ایک علمی دوسری عملی۔ بعض میں علمی قوت غالب ہوتی ہے۔ اور عمل میں قاصر ہوتے ہیں۔ اور بعض میں عملی قوت تو پائی جاتی ہے۔ لیکن وہ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ان ہر دو وصف میں کامل ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ آپؐ کے حکمت آموز کلمات آب زر سے لکھنے کے قابل اور دانائی کے گر ہیں۔ اور آپؐ کی عملی زندگی کی پوری کیفیت آپ کی زندگی کے حالات مطالعہ کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

سام وید کی عبارت میں اس مقدس برگزیدہ کی آٹھویں صفت :۔

بے اندازہ قوت کا پیدا کیا گیا ہے۔ آپ اس وصف میں بھی پورے تھے۔ اور کبھی بھی آپ نے بزدلی اور کسل مندی ظاہر نہیں کی اور کسی کام کے کرنے سے عجز و ضعف کا عذر نہ کیا۔ بلکہ حضرت کی پاک زندگی میں ایسے ایسے واقعات بھی ثابت ہوئے ہیں۔ کہ جس کام سے عرب کے بہادر لوگ عاجز آ گئے ہیں۔ اور آپ نے اسے پورا کر دکھایا ہے۔ چنانچہ غزوہ خندق میں جس کا بیان سام وید کی اس عبارت میں ہے۔ اور اس کی تفصیل ابھی آئے گی۔ خندق کھودنے کے موقع پر ایک جگہ زمین کا پتھریلا ٹکڑا ایسا سخت نمودار ہوا۔ کہ لوگ کام کرنے سے عاجز آ گئے۔ آپؐ کے پاس اس بات کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے بڑی دلیری سے فرمایا۔ اَنَا نَازِلٌ یعنی "میں آتا ہوں" بہیں باوجود اس کے کہ آپ کو تین روز کا فاقہ تھا۔ آپؐ نے کودال (کھدائی کا آلہ) پکڑ کر ایسی ضربیں لگائیں۔ کہ وہ پتھریلا ٹکڑا ریت کی طرح چور چور کر دیا۔ اسی طرح آپ کے کئی واقعات ہیں۔ جن کے ذکر سے خوف طوالت ہے۔ اور بوجہ مسلم کل ہونے سے محتاج بیان نہیں۔

سام وید کی عبارت مذکورہ میں اس برگزیدہ خدا کو :-

پتھر رکھنے والا کر کے پکارا گیا ہے۔ جو آپؐ کے حجر اسود کے نصب کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے۔ جب آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ اور اس میں آپ کی دانائی اور عقلمندی کا ثبوت ہے۔ اور وہ اس طرح ہے۔ کہ کعبۃ اللہ کی عمارت ایک سیلاب اور طوفان کے سبب منہدم ہو گئی تھی۔ اس لئے قوم قریش نے اُسے از سر نو تعمیر کرنا چاہا۔ جب عمارت حجر اسود تک پہنچی۔ تو ان میں اس بات کی تکرار ہوئی۔ کہ حجر اسود کو کون رکھے۔ اس مبارک کام میں فخر حاصل کرنے کے لئے ہر شخص کا جی للچایا۔ اور زبانی تکرار سے نوبت دست و گریباں تک پہنچی۔ اور ہر فریق دوسرے کو جنگ میں طلب کرنے لگا۔ حتیٰ کہ قبیلہ بنی عبدالدار نے مر جانے اور

ڈھیر رہ جانے پر قسم کھالی آخر کار جوش وخروش فرو ہونے پر رفع تنازعہ کے لئے یہ قرار پایا۔ کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں حاضر ہو وہی حجر اسود کو نصب کرے۔

شب انتظار دراز ہوگئی اور امید سبقت سے رات بھر ہر شخص کا سینہ دھڑکتا رہا۔ ناگاہ سب سے پہلے وہی آفتاب ہدائت وبرکت مشرق کامیابی و سبقت سے مسجد حرام میں چڑھا نظر آیا۔ سب لوگ مارے خوشی کے ھٰذا الامین کے نعرے مارنے لگے۔ اور اپنی رات بھر کی جوشیلی آرزوؤں اور سینہ کوب ولولوں کے پورا نہ ہونے کو یک قلم بھول گئے۔ اس خوشی کے اظہار کے لئے قریش کے جو الفاظ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ اسلامؑ" میں اس واقعہ کے متعلق بیان کئے ہیں۔ ہم ان کی نقل سے نہیں رک سکتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

Lo it is the Faithful one! they cried, we are content

ترجمہ "آہا! یہ تو امین صاحب ہیں۔ ان پر ہم سب راضی ہیں"

حضرت محمد رشی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زیرکی اور فراخ حوصلگی کے ثبوت کے لئے ایک چادر بچھائی اور حجر اسود کو اس پر رکھکر جوشیلے عربوں سے کہا۔ کہ تم میں سے ہر قبیلے کا ایک ایک بزرگ شخص اسکو اٹھائے۔ پس اس پسندیدہ خوش تدبیر سے سب نے بخوشی خاطر چادر کو پکڑ کر حجر اسود کے رکھنے کی بلندی تک اٹھایا۔ اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست خاص سے اُسے نصب کیا۔

اس مبارک صبح کو کعبۃ اللہ میں آپؐ کا سب سے پہلے تشریف لانا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا۔ بلکہ اٹل اور غیر مبدل تقدیر کا مقرر کیا ہوا تھا۔ اور یہی معاملہ بہیئت وقوعی نبوتِ محمدی کا مقدمہ تھا۔ کیونکہ قوم کی قبیل وقال

اور جنگ و نکرار سے ان کی اخلاقی حالت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور آپ کے سب سے پہلے کعبتہ اللہ میں آنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ ان میں سوائے آپ کی ذات بابرکات کے اس کار خیر کو انجام دینے کے لائق اور کوئی نہ تھا۔ اور پتھر رکھنے کے وقت جو آپ نے سب کو خوش کر کے اس کام میں اپنا شریک بنا لیا۔ اس میں راز مضمر تھا۔ کہ آخرکار یہ جنگجو اور لڑاکے عرب آپس میں بھائی بھائی اور شیر و شکر ہو کر توحید الٰہی کے پھیلانے میں آپ کے معاون و مددگار ہو جائیں گے۔ اور وہ حجر اسود کو جو آپ نے اپنے دست خاص سے رکھا۔ تو اس کے معنے توحید الٰہی کا بنیادی پتھر رکھنے کے تھے۔ اور اس میں اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی (بات یہی ہے۔ کہ مشرک نجس ہیں۔ پس وہ اس سال کے بعد مسجد کعبہ کے نزدیک نہ آنے پائیں۔) اسکے جلالی اعلان کا بھی ایک معنے سے اشارہ تھا۔

اس بیان سے آپ کی صفت "پتھر رکھنے والا" بخوبی ثابت ہے۔ اور یہ تاریخی واقعہ ایسا مسلم و مشہور ہے۔ کہ مؤرخین اسلامی اور غیر اسلامی سب متفق ہیں۔

سام ویدکی عبارت میں اس برگزیدہ خدا کی نسبت اس کا ایک :-

گڑھے کا کھودنا

بھی مذکور ہے جس سے دشمنوں سے بچاؤ اختیار کرنے کے لئے خندق کا کھودنا مراد ہے۔ کیونکہ اس برگزیدہ خدا کے اوصاف مذکورہ بالا جنگی کمالات ہیں۔ شاہی جنگوں میں ضرورت کے وقت خندق کا کھودنا سب کو معلوم ہے۔

یہ بھی حضرتؐ کے حق میں ثابت اور مؤرخین کے نزدیک مسلّم ہے۔ چنانچہ ۵ ہجری میں جب ابوسفیان نے یہود بنی نضیر کی سازش سے دس ہزار کے لشکر جرار سے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا۔ اور شہر کے یہود بنی قریظہ بھی عہد و پیمان توڑ بیٹھے اور منافقین کیطرف سے بھی یہ کھٹکا تھا۔ کہ وہ مخالفین کا ساتھ دیکر ان کو شہر کے

غیر محفوظ مقامات بتا دینگے۔ تو حضرتؐ نے شہر کی حفاظت کے لئے ایک خندق کھودنے کا حکم کیا جس کا ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے۔ دشمنوں نے ہر چند حملے کئے۔ مگر ہر دفعہ ناکام رہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کی امداد کے لئے فرشتے نازل کئے۔ اور تند باد کا ایک ایسا بھاری طوفان بھیجا۔ کہ ابو سفیان محاصرہ اُٹھا کر رات ہی کو بھاگ نکلنے پر مجبور ہُوا۔

سام وید کی عبارت اس برگزیدہ خدا کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے:۔

("یہ دیوتا دباتے ہوئے تیرے پہلو میں آئے")

اور خوف سے آزاد ہو کر انہوں نے تیری مدد کی انہوں نے دعا کے بھجنوں کے ساتھ اس اندر کی شان بیان کی۔ جو اپنی قوت سے حکومت کرتا ہے۔ جس کے ہزاروں بلکہ اس سے بھی کثرت سے عطیے آتے ہیں"

دیوتا پاک باطن اور بزرگ لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور مراد حضرت **محمد رشی** کے اصحاب ہیں جنہوں نے ہر طرح سے آزاد ہو کر کھلے میدان میں آپؐ کی مدد کی۔ اور جنگوں میں دعائیں اور تکبیریں اور خدا تعالیٰ کی تعریفیں کہیں اور یہ امر ایسا ظاہر و باہر ہے۔ کہ کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور مشہور و عام ہونے کیوجہ سے محتاج بیان نہیں۔ چونکہ یہ سب امور جنگ کے متعلق ہیں۔ اس لئے "خدا کے عطایا" سے مال غنیمت مراد ہے۔ اور یہ امر بھی آپ کے حق میں ایسا عیاں ہے۔ کہ مخالفین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ خدا کے فضل و توفیق سے ہمنے سام وید کی عبارت مذکورہ کا مصداق ہونا حضرت محمد رشی کو بہت صفائی سے ثابت کر دیا ہے۔ اور تاویل و کھینچ تان اور کسی قسم کے تعصب کو راہ نہیں دی۔ اگر کسی ویدک دھرمی کو اسکے ماننے میں تامل ہو تو وہ اس عبارت مذکورہ کی صحیح تفسیر بیان کر دے۔ ہم اُسپر غور کریں گے انشاء اللہ۔

حضرت محمد رسُول صلے اللہ علیہ و سلم کی بابت پیشگوئی

توراۃ میں

توراۃ جو آجکل بائبل کے مجموعہ میں سب سے پہلے ہے۔ اس کے پانچ حصے ہیں جنکو پانچ کتابیں کہا جاتا ہے۔ ان میں سے پانچویں کتاب میں جس کا نام استثناء ہے۔ لکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اس کیطرف کان دھریو اُس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں مجمع کے دن مانگا۔ اور کہا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ پھر دیکھوں۔ تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھے کہا۔ کہ اُنھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا۔ وہ سب ان سے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا۔ کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا۔ نہ سنیگا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لونگا۔" ۱۸ باب

اس عبارت میں چند باتوں پر غور کرنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے +

(۱) بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے وہ رسول پیدا ہوگا۔

(۲) وہ رسول حضرت موسیٰ جیسا ہوگا۔

(۳) جو اس رسول کو نہ مانیگا۔ خدا اس کو پوچھیگا +

پہلی بات کی تحقیق یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد دو شاخوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ (۱) بنی اسرائیل (۲) بنی اسمٰعیل۔ بوجہ مورث اعلےٰ ایک ہونے کے یہ دونوں خاندان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی کہلانے کا حق رکھتے تھے۔ اور کہلاتے بھی تھے۔ اسلئے بنی اسمٰعیل میں سے آنحضرت کا پیدا ہونا اس پیشگوئی کا صدق ہے۔

(۲) حضرت موسےٰ علیہ السلام صاحب شریعت اور باسیاست نبی تھے۔ اسیطرح حضرتِ محمد رشی صلے اللہ علیہ وسلم باشریعت صاحبِ حکومت نبی تھے۔

(۳) نمبر سوم کا ثبوت بھی صاف ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (پ ۵)	یعنی جو کوئی اس رسول (حضرت محمد رشی) سے منہہ پھیرے اور مومنین کی راہ کے سوا اور راہ چلے تو جدھر کو وہ جائیگا ہم بھی اُسکو اُدھر ہی روانہ کردینگے اور جہنم میں ڈالدینگے وہ بری

جگہ ہے"۔ اس آیت قرآنی اور تورات کی مرقومہ عبارت کا مطلب ایک ہی ہے جسکو شیخ سعدی مرحوم نے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

فیصلہ آسان عیسائیوں کو ہماری اس تقریر میں اختلاف ہو اور وہ اس عبارت منقولہ کو حضرت محمد رشی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حق میں نہ جانیں بلکہ حضرت عیسےٰ مسیح کے حق میں بتاویں تو اُن کے ساتھ فیصلہ کی آسان صورت ہے۔

حضرت مسیح کے دنیا سے جانیکے بعد مسیح کا شاگرد پطرس حواری اپنے زمانہ کے لوگوں کو بطور نصیحت کہتا ہے"۔

"پس توبہ کرو۔ اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تاکہ خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آویں۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جسکی منادی تم لوگوں

کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے لئے رہے۔ اسوقت تک کہ سب چیزیں جنکا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آدیں۔ کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اُٹھاویگا جو کچھ وہ تمہیں کہے اُسکی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اُس نبی کی نہ سُنے وہ قوم میں سے نیست کیا جائیگا۔ بلکہ سب نبیوں نے سموئیل سے لیکے پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اُس عہد کے ہو۔ جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاوینگے۔ تمہارے پاس خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو اُٹھا کے پہلے بھیجا۔ کہ تم میں سے ہر ایک کو اُسکی بدیوں سے پھیر کے برکت دے"۔ (رسولوں کے اعمال باب ۳)

اس عبارت میں اُس پیشگوئی کا ذکر ہے جو ہمنے تورات سے نقل کی ہے۔ نہ صرف ذکر ہے بلکہ اس پیشگوئی کے انتظار کرنے کا حکم بھی ہے۔ مطلب عبارت مرقومہ کا یہ ہے۔ پطرس کہتا ہے کہ جناب مسیح کا دوبارہ دنیا میں تشریف لانا اُن واقعات کے پورا ہونے پر موقوف ہے جو حضرات انبیا علیہم السلام نے بطور پیشگوئی کے فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ وہ نبی جسکی بابت حضرت موسےٰ نے خبر دی تھی آجائے اس کلام سے صاف ثابت ہے کہ تورات کی پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح نہیں بلکہ اُنکے سوا وہ نبی ہے۔ جو جناب مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے سے پہلے دنیا میں آئے گا۔ اور وہ حضرت محمد رشی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پیشگوئی

(انجیل میں)

عیسائیوں اور یہودیوں کی مجموعہ کتابوں کا نام "بائیبل" ہے۔ اُسمیں

وہ حصہ جسے یہودی اور عیسائی دونو مانتے ہیں "پرانا عہدنامہ" کہلاتا ہے - اور دوسرا حصہ جسے خاص عیسائی مانتے ہیں اُسکا نام "عہد جدید" ہے - جسمیں انجیلیں چار ہیں جن کے یہ نام ہیں - انجیل متی - انجیل مرقس - انجیل لوقا - انجیل یوحنا - عیسائی ان چاروں انجیلوں کو الہامی مانتے ہیں - ان میں سے چوتھی انجیل کے سولھویں باب میں حضرت عیسے مسیح کے الفاظ درج ذیل ہیں جو یہ ہیں -

"میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آوے گا - پر اگر میں جاؤں تو میں اُسے تم پاس بھیج دونگا - اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھیرائیگا - گناہ سے اس لئے کہ وے مجھ پر ایمان نہیں لائے - راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھوگے - عدالت سے اسلئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے - میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم اُنکی برداشت نہیں کر سکتے - لیکن جب وہ یعنی روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے گی - اسلئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن جو کچھ وہ سُنیگی سو کہیگی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگی - وہ میری بزرگی کرے گی" ......

(انجیل یوحنا باب ۱۶)

اس عبارت میں جناب مسیح نے آنے والے نبی کے جتنے نشان بتائے ہیں وہ سب کے سب حضرت محمد رشی (صلے اللہ علیہ وسلم) پر چسپاں ہیں اور کسی پر نہیں - اس پیشگوئی کے تین حصے ہیں -

(۱) تسلی دینے والا (۲) جناب مسیح کے منکروں کو راستی سے تقصیروار ٹھیرانیوالا (۳) عدالت سے مجرموں کو سزا دینے والا (۴) دنیا کا سردار

پہلی بات کا ثبوت تو صاف ہے - کیونکہ حضرت محمد رشی کے حق میں کئی جگہ قرآن مجید میں بشیر کا لفظ آیا ہے - اور بشیر کے معنی میں تسلی کا داخل ہے کیونکہ اسکا اصلی ترجمہ ہے خوشخبری دینے والا - جو خوشخبری دیگا وہ اس بات کی تسلی دیگا کہ تمہارے نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے - بلکہ مقبول ہوں گے - پس

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تسلی دینے والے ہیں - کیونکہ آپ بشیر ہیں ؎
(۲) جناب مسیح کے منکروں (یہودیوں) کو آنحضرت نے کافر قرار دیا اور اُن پر بہت کچھ خفگی کا اظہار فرمایا چنانچہ سبکو معلوم ہے -
(۳) عدالت تو آنحضرت نے ایسی فرمائی کہ آج تک اُسکے برابر کی کوئی کر نہیں سکا - ہر قسم کے جرائم کی سزائیں مقرر اور جاری فرمائیں - چور کی سزا زانی کی سزا - ڈاکو کی سزا وغیرہ وغیرہ ایسی اعلےٰ درجہ کی جاری فرمائیں کہ باید وشاید - اس کی تفصیل جو دیکھنا چاہے وہ ہمارا رسالہ **اسلام اور برٹش لاء - سیاست محمدیہ اور قوانین انگریزیہ کا مقابلہ** - مطالعہ کرے ؎

نوٹ ؎ توراۃ اور انجیل میں اور بھی بہت سی پیشگوئیاں ہیں - جو ہمارے نبی اکرم سید العرب والعجم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں - مگر بغرض اختصار ہم انہی دو پر قناعت کرتے ہیں - ؎

در خانہ اگر کس ست - یک حرف بس ست

اللّٰھمّ صلِّ علیٰ محمّدٍ وّعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

منصف مزاج مخالفوں سے امید ہے - اس مختصر سے ٹریکٹ کو بغور مطالعہ کر کے فائدہ اٹھائیں گے - والسلام ؎

ابو الوفا ثناء اللہ

محرم سنہ ۱۳۴۲ھ
اگست سنہ ۱۹۲۳ء

کتبخانہ ثنائی امرتسر کی مختصر فہرست کتب

(قادیانی مشن)

شہادۃ القرآن - اثبات حیات مسیح میں بے نظیر کتاب حصہ اول ۱۴ر دوم عہ ر کل ۱۴ر دونوں کے خریدار کو محصولڈاک معاف

الہامات مرزا - الہاموں کی کافی تردید ۱۲ر

مرقع قادیانی - مرزا صاحب قادیانی کی تردید ۶ر

تاریخ مرزا - قیمت ۸ر

نکاح مرزا - آسمانی نکاح مرزا کی تفصیل ۲ر

شاہ انگلستان اور مرزا قادیان ۲ر

فاتح قادیان - مرزا صاحب کے آخری فیصلہ پر مفصل انعامی مباحثہ لدھیانہ ۶ر

فسخ نکاح مرزائیاں - متفقہ فتویٰ علمائے اسلام - ۴ر

عقائد مرزا - مفید رسالہ - ۱ر

چیستان مرزا - عمر مرزا کے متعلق ۶پا

فیصلۂ آسمانی - ہر سہ حصہ قیمت ۶ر

الخبر الصحیح - قبر مسیح کی تحقیق ۲ر

فتح ربانی - ۶ر

متعلقہ آریہ

حق پرکاش - بجواب ستیارتھ پرکاش عہ ر

ترک اسلام - دھرمپال کے ترک کا جواب ۱۲ر

بحث تناسخ - تناسخ پر مکمل بحث ۴ر

ثمرات تناسخ - تناسخ کے نتائج ۶ر

حدوث وید - ویدوں کی قدامت کا رد اور حدوث کا ثبوت - ۲ر

حدوث دنیا - دنیا کے حدوث کا ثبوت ۳ر

الہام - الہام پر بحث ۲ر

شادی بیوگاں اور نیوگ - ۲ر

مناظرۂ خورجہ - خورجہ کی مصدقہ بحث آریوں سے - ۴ر

مناظرہ جبل پور - آریوں سے ۴ر

القرآن العظیم - قرآن اور وید کا مقابلہ ۳ر

تبر اسلام بجواب نخل اسلام دھرمپال ۶ر

جہاد وید - ویدوں سے جہاد کا ثبوت ۳ر

مباحثہ گوشت خوری - قیمت ۶ر

(متعلقہ اہل حدیث)

اہلحدیث کا مذہب - اہل حدیث کے مسائل کا بیان - ۸ر

تقلید شخصی و سلفی - ۸ر

حدیث نبوی و تقلید شخصی - دونوں مضمونوں پر بحث - ۶ر

علم الفقہ - مسائل فقہ کی تنقید ۳ر

آمین رفعیدین - دونوں مسئلوں کا ثبوت ۲ر

فتوحات اہلحدیث - ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات بحق اہلحدیث - ۸ر

اجتہاد و تقلید - دونو مسائل پر مفصل اور دلچسپ بحث - ۸ر

(متعلقہ عام اہل اسلام)

تعلیم القران - بالاجمال قرآن شریف کی تعلیم کا بیان - ۲ر

قران اور دیگر کتب - مقابلہ دکھایا گیا ہے - ۲ر

اسلامی تاریخ - آنحضرت صلعم کے حالات بطرز حکایات - ۳ر

خصائل النبی - ترجمہ شمائل ترمذی - ۲ر

السلام علیکم - اسلامی سلام کے احکام ۲ر

ہدایت الزوجین - بیوی خاوند کے احکام - نکاح و طلاق کے مسائل - ۲ر

کلمہ طیبہ - کلمہ شریف کی تفسیر ۲ر

توحید و تثلیث - دونو مضامین -۳ر

شریعت و طریقت - ۲ر

ادب العرب - عربی صرف و نحو کا بیان - ۸ر

رسوم اسلامیہ - رسوم بدعیہ کا رد ۲ر

الفوز العظیم - ۴ر

دلیل الفرقان - اہل قرآن کا رسالہ متعلقہ نماز کا مکمل جواب - ۴ر

اُم القرٰی - مکہ معظمہ کی فضیلت ۸ر

خلافت محمدیہ - شیعوں کی تردید میں لاجواب رسالہ - ۸ر

عصمت النبی - آنحضرت صلعم کی پاکدامنی کا مکمل ثبوت - ۲ر

عزت کی زندگی - وہ احکام جن سے عزت کی زندگی حاصل ہو - ۲ر

میل و ملاپ - اتحاد کا سبق دینے والا رسالہ - ۴ر

لغات القرآن - جملہ الفاظ قرآنی کی تحقیق انیق - عہ

البرہان العجاب - سورہ فاتحہ خلف امام کی تائید - ۱۲ر

نور العینین - شیخ حسین محدث بھوپالی یمنی کا عربی فتوے جلد اول عہ ر

حیات طیبہ - حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کی مفصل سوانحعمری ہے

تمام کتابوں کے ملنے کا

پتہ مینیجر دفتر اخبار اہل حدیث امرتسر پنجاب

نصر من اللہ و فتح قریب

فتح اسلام

یعنی

مناظرہ خورجہ

جو مابین اہل اسلام اور آریہ سماج کے ۱۹-۲۰-۲۱ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء کو زیر اہتمام
مولانا محمد مبارک حسین صاحب مدرس مدرسہ قاسم العلوم خورجہ ہوا تھا
جسمیں اہل اسلام کی طرف سے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل شیر پنجاب امرتسری مناظر تھے
اور آریہ سماج کی طرف سے مہاشہ شانتی سروپ جی اور بابو رامچندر جی دہلوی مناظر تھے۔
اور مرزا شاہرخ بیگ صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم خورجہ و دیگر صاحبان کیجانب سے
یہ روئداد مباحثہ

روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر میں شیخ عبدالعزیز پرنٹر کے
اہتمام سے طبع ہوئی

۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلے علی رسولہ الکریم

امابعد - ہم خدام کیفیت مناظرہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اسمیں مفصل حالات ہونگے بنا دمی مخاصمت اور اسباب پر پوری نظر ڈالی جاویگی۔ انشاءاللہ۔

قبل ازیں

کہ ہم مفصل کیفیت ہدیہ ناظرین کریں کچھ بطور تمہید عرض کردیں تاکہ ارتباط مضامین بہترین طریقے ہوجاوے **معزز ناظرین** زمانہ کی نیرنگیاں ابناء زمانہ کی جدت طرازیاں ملت مذہب میں اہواءنفسانی وتلمیحات شیطانی سے موشگافیاں آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ پیش کررہی ہیں جو آج سے تیرہ سو برس بیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاکیزہ اور محبت آمیز لہجہ میں ان پیارے الفاظ میں یہ فرمایا تھا کہ یصبح الرجل فیہا مومنا ویمسی کافرا یعنی ایسے ایسے فتنے برپا ہونگے جنہیں اپنے مرکز پر قایم رہنا دشوار ہوجائیگا۔ ایک سیلاب میں اگر بمشکل قدم جمے رہینگے تو دوسری موج آکر بہا لیجائیگی۔ صبح کو آدمی اپنے مذہب ودین پر قایم ومستقیم ہوگا تو شام تک اوکو ان زلازل وفتن سے سابقہ پڑیگا کہ جنہیں مذہب ودین کو سنبھالنا دشوار ہوجائیگا۔ ایسے پُراثر اور زہریلے زمانہ میں اگر کوئی مذہب اپنی مقناطیسی اثر سے جذبات انسانی اپنی طرف متوجہ کرے تو اوس کے حق اور فتح مند ہونیکا یہ کافی ثبوت ہے۔

روحانیت اسلام	تمام دنیائے اسلام کے پاکیزہ اثر کو عالم کے روبرو تسلیم

کردیا ہے کہ اسمیں ایک ایسی کشش ہے جسکی کیفیت بیان کرنے سے انسان قاصر ہے لیکن زمانہ کے زبردست ہاتھوں۔ روزمرہ کے تجربوں اور نئے نئے واقعات نے ثابت کردیا ہے کہ اسلام اپنی سچی روحانیت کے ذریعہ سے ہر سال اپنے اتباع کی تعداد بڑھاتا ہے۔ ہرچند کہ دیگر مذاہب دنیوی تمول اور اسباب شہوات نفسانی پیش کرتے ہوئے اپنی جانب بلاتے ہیں۔ دیکھو عیسائی مشن معقول وظائف کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ آریہ مذہب نیوگ کی چاشنی کے علاوہ دوسری قسم کی مالی امدادوں سے ہم آغوش کرنیکا وعدہ کرتا ہے لیکن قربان جائیے اسلام کی اوس روحانیت پر جو دنیا کو لالچ اور طمع کے بغیر اپنی طرف لاتی ہے۔ اور اون کو توحید کے جلووں سے ایسا آراستہ بناتا ہے کہ پھر جاہ وجلال دنیوی کو ٹھوکرسے مار کر آخرت کی شیریں مزے سے سیراب ہوتا ہے۔ اور اوسوقت سچے قلب سے کہتا ہے کہ بے شک اے خدا تیرا فرمانا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ خوشگوار منظر ہے۔

کیا کسی نے لالچ پیش کیا تھا بلال رض کے روبرو جا اوس نے ہزارہا قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے اپنے سچے مذہبی جذبہ کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرسول اللّٰہ کو زبان پر جاری رکھا۔ کون اور کسوقت حضرت خبیب کو سمجھانے گیا تھا جبکہ اوسکو ایک جانور کیطرح مشرکوں نے ذبح کیا۔ اور اوس نے اپنے خدا اور رسول صلعم کی یاد کو دل سے نہ بھلایا۔ اور پیارے اسلام کو اپنے قلب میں رکھکر دنیائے فانی میں فردوس بریں کیطرف لیگیا۔ یہ تاریخی واقعات قرون اولی کے جسطرح اسلام کی روحانیت پر برہان قاطع ہیں۔ اسیطرح روزمرہ اسلام کی صداقت ہر گوشہ ملک میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونا مشاہدہ صحیحہ کا حکم رکھتا ہے اور کیوں نہو جبکہ مذہب جس کے طالب آجتک ہوں۔ اور اوسی صحیح مذہب میں وہ روحانیت اپنا مقناطیسی اثر باقی رکھتی ہو۔ اس کے ثبوت میں علاوہ ہزارہا روزمرہ کے واقعات کے خورجہ کا ایک معاملہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے اسکی تائید کے علاوہ اسباب مناظرہ خورجہ پر بھی روشنی پڑجائیگی۔

سُنئے خورجہ ضلع بلند شہر متصل علی گڈہ میں آریہ سماج کے ایک پنڈت موسومہ چندر پرکاش جی سب اڈیٹر اخبار آریہ گزٹ لاہور آئے۔ انہوں نے یہاں کی طرز انداز دیکھکر ایک چیلنج بنام ڈبل چیلنج تمام مذاہب کو دیا جسپر مدرسہ قاسم العلوم کیطرف سے مولانا محمد مبارک حسین صاحب عمودی صدر مدرس مدرسہ موصوفہ نے اس کا جواب اثبات میں دیا

خلاصہ تحریر پنڈت چندر پرکاش جی

ڈبل چیلنج چیلنج چیلنج

میں اخبار آریہ گزٹ کا سب اڈیٹر ہوں اور مذہبی تحقیقات کا مجھو عرصہ سے شوق ہو۔ مَیں آریہ مذہب کو ایک سچائی والا مذہب سمجھکر قایم رہا اور ایک عرصہ سے اپنی مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دیگر مذاہب کی مَیں نے جانچ کی تو اب بعض وجوہ سے میرے قلب میں اپنے مذہب کی طرف سے تذبذب پیدا ہو گیا ہے۔ اور سنتا ہوں کہ اس شہر میں حامیان مذہب کامل الفن موجود ہیں۔ مجھے میرے خیالات کے مطابق میرے شبہات سمجھا دیں مَیں طالب حق ہوں اور جو مذہب سچائی کی تعلیم دینے والا ہوگا۔ وہ قبول کرونگا۔ یہ سوال جواب جلسہ عام میں ہونگے۔ (طالب حق چندر پرکاش۔) ۲۲۔ جنوری ۱۹۱۷ء

اس کے جواب میں مولانا نے جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے :۔

بجواب ڈبل چیلنج جو کہ آپنے شائع کیا جسمیں آپ نے طالب مذہب اپنی غرض ظاہر کی ہے۔ اگرچہ اسوقت خاکسار بوجہ علالت تقریر تحریر کے کماحقہ قابل نہیں۔ مگر چونکہ آپ حق کے طالب ہیں تو مَیں بتوفیق اللہ و تائیدہ آپ کے شبہات کو رفع

کرنیکو تیار ہوں۔ چاہے جلسہ عام ہو یا خاص۔ جلسہ عام میں صورت مناظرہ ہوگی۔ آپکو قواعد مناظرہ کا پابند ہونا ہوگا۔ (۲۳-جنوری)

(محمد مبارک حسین سنبھلی عفی عنہ۔ صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم خورجہ)

اس کے بعد ۲۴-جنوری ۱۹۱۷ء کو مابین مولانا و پنڈت جی شرائط مناظرہ طے ہو کر قلمبند ہوگئیں اور حکم مناظرہ بھی فریقین کے حسب منشا ہوگئے۔ ۲۴-کی شام کو عام اعلان مناظرہ واقع میدان سرائے عکو شائع ہو گیا۔ پبلک ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئی۔ ٹھیک چار بجے گفتگو شروع ہوگئی۔ اولاً پنڈت جی نے آیۃ کلام اللہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ الخ پر ایک اعتراض پیش کیا اور اسی کی تائید میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پیش کی۔ مولانا نے نہایت صفائی کے ساتھ سلیس اور عام فہم جواب دیا۔ جسکو پنڈت جی نے بھی باور کیا اور چند الزام اپنی جانب سے پنڈت جی کے اوپر قائم کئے۔ جس سے پنڈت جی بہت پریشان ہوئے۔ یہ گفتگو ۵ بجے ختم ہوئی۔ اس طور پر کہ ۱۵ منٹ پنڈت جی تقریر کرتے تھے۔ اور ۱۵ منٹ مولوی صاحب موصوف جواب دیتے تھے لیکن اس سے پہلے اجلاس میں کوئی امر طے نہیں ہوا اور اجلاس ختم ہوگیا۔

دوسرا اجلاس ۲۵ جنوری وقت صبح

آیات مذکورہ کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ اخیر میں خدا کے علم اور ارادہ کی ایک بحث شروع ہوگئی۔ بہت گفتگو کے بعد خدا کے علم کے متعلق ایک جدید سلسلہ علم اجمالی اور تفصیلی کے متعلق شروع ہوگیا۔ مولانا نے پنڈت جی سے دونوں علموں کی تعریف دریافت کی۔ پنڈت جی ایسے چکرائے کہ علم اجمالی اور تفصیلی (جسکو خود چھیڑا تھا) میں فرق ذکر کر سکے۔ اور اپنے سوال سے رجوع کیا

تیسرا اجلاس ۲۵ جنوری وقت شام

مولوی صاحب نے پھر اوسی منطقی بحث کو اٹھایا یعنی علم اجمالی اور تفصیلی کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ پنڈت صاحب بہت معقول ہوئے اور اپنے سوال کی واپسی کے کوشاں رہے اخیر میں ایک سوال پیدا کر دیا کہ میں صرف یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ مسئلہ تقدیر آپ لوگوں کی یہاں مانا جاتا ہے۔ لیکن یہ خیال میں نہیں آتا۔ کہ جب انسان کو خدا نے پیدا کیا۔ اور برائی بھلائی یعنی نیکی بدی پیدا کی تو انسان کیوں قصوروار ٹھیرایا جاتا ہے۔ نہ خدا پیدا کرتا نہ انسان کرتا۔ خدا خود قابل سزا ہے۔ معاذ اللہ۔ کہ اوس نے پیدا کیا" مولانا نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے ایسے پاکیزہ الفاظ میں جواب دیا اور پبلک کو سمجھا دیا کہ حق بجانب دین اسلام ہے۔ آپکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو خلق ہے اور ایک کسب۔ حق تعالیٰ جل شانہ خالق تمام اشیاء کا اور بندہ کاسب ہے جزا و سزا جو مرتب ہوگی۔ وہ کسب پر ہوگی۔ نہ خلق پر۔ اور بندہ کاسب ہے تو مجرم بھی کاسب یعنی بندہ ہوگا نہ خالق۔ اللہ تعالیٰ بری ہے۔ دیکھیے حق تعالیٰ شانہ اپنے فیضان کو یکساں فرماتے ہیں۔ درجہ کسب میں جا کر اختلاف پیدا ہوتا ہے جو کسب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح کہ آفتاب یکساں اپنی روشنی دنیا میں ڈالتا ہے پس اگر منفعل کی جائے غیر تو وہ شعاع سجدہ اپنے کی قبول کرتا ہے۔ جس طرح کہ نور آفتاب سب جگہ ایک روش پر ہے۔ لیکن اگر کسی روشندان کے اندر آئینہ سیاہ یا سبز یا سرخ لگا ہوا ہو تو وہ نور اوسی رنگ کا معلوم ہوگا۔ تو یہ اختلاف رنگ آفتاب کا اثر نہیں۔ بلکہ آئینہ کیطرف منسوب کیا جاویگا اسیطرح حق تعالیٰ شانہ خالق ہے۔ درجہ کسب میں جا کر وہ امر بدی ہوا تو فعل عبد سے ہوا۔ عبد کی جانب منسوب کیا جائیگا۔ اس تقریر کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔ تمام مجمع متاثر تھا۔ اخیر میں پنڈت جی نے اپنے سوال کی صورت بدلی۔ اور اجلاس ختم ہوا۔

چوتھا اجلاس ۲۶ جنوری وقت صبح

پنڈت جی نے ایک سوال مسئلہ تقدیر پر کیا اور ایک منطقی بحث کی صورت میں چلایا اور حصر کردیا کہ اگر مولوی صاحب یا اور کوئی شخص دنیا میں میرے اس کلیہ کو توڑ دے تو میں اوسی وقت اوسکا مذہب قبول کروں۔ اس کے جواب میں مولانا نے حکم مناظرہ کو تحریک کی کہ پنڈت جی کے اس وعدہ پر دستخط کرا لیجئے۔ میں انشاءاللہ کوشش اس کے توڑنے کی کرونگا۔ حکم مناظرہ نے روبرو پبلک کے پنڈت جی کے دستخط کرائے اور گفتگو کی اجازت دی۔ پنڈت جو مسئلہ تقدیر کو قانون کے قالب میں ڈھالتے تھے اور تعزیرات ہند کا حوالہ دیتے تھے۔ مولانا نے کچھ مقدمات منطقیہ اور فلسفیہ تسلیم کرائے اور حکم کو نوٹ کراتے گئے۔ اون مقدمات کی بنا پر ایک تقریر شروع کی۔ دوران تقریر میں ایک باغ کی ایسی مثال پیش کی جس نے پنڈت جی کے کلیہ کو جڑ سے توڑ دیا اور ایسے صاف الفاظ میں تقریر فرمائی۔ کہ عام پبلک کو یہ سمجھا دیا کہ حقیقت میں کلیہ ٹوٹ گیا۔ ہر چہار طرف سے سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ختم تقریر پر پنڈت جی نے حکم سے دریافت کیا۔ حکم نے بمشورہ پبلک مولویصاحب کے حق میں فیصلہ دیا۔ پنڈت جی نے ہندو صاحبان سے دریافت کیا کہ مولانا نے فرمایا کہ آریہ سماج کو وید کی رو سے کہنا چاہئیے۔ تو سب نے بآواز یہہ کہا کہ مولوی صاحب نے ٹھیک فرمایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنڈت جی وعدہ اسلام پورا کیجئے۔ پنڈت جی نے فرمایا کہ میں ہندو مسلمان کسی کے فیصلہ کو نہیں مانتا۔ مشن سے پادری صاحب بلائے جاویں وہ جو فیصلہ دیں۔ مجھے منظور ہے پادری صاحب مشن سے آئے اور کل تقریر بصورت سوال وجواب میں فریقین

عہ مولانا ایک مشہور منطقی ہیں۔

عہ مولوی صاحب نے ایک ہیڈ کانسٹبل ہندو کا بیان لیا۔ اوس نے قانون کی رو سے بتلایا کہ مولوی صاحب کا بیان قانون کے مطابق ہے ۱۲

کے سُنکر یہ جواب دیا کہ حق بجانب مولوی صاحب ہیں۔ باغ کی مثال سے بآسانی سمجھ میں آتا ہے کہ کلیہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد پنڈت جی نے ۱۵ منٹ مہلت غور کرنے کیواسطے حکم جلسہ سے حاصل کی۔ غور کرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور حسب ذیل تقریر فرمائی۔

صاحبان! مَیں خورجہ میں طلب حق کے واسطے حاضر ہوا تھا۔ اور میں نے اپنے خیالات کو سوال و جواب کی صورت میں ظاہر کیا میرے مقتدر حضرت مولانا محمد مبارک حسین صاحب محمودی واعظ و مناظر اسلام سنبھلی صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم خورجہ نے مجھکو سمجھایا اور میرے شبہات جو ایک عرصہ سے میرے دل میں جگہ کیئے ہوئے تھے وہ رفع فرمائے۔ میرے کلیہ کے دعوی کو جہانتک میں نے غور کیا۔ یقیناً وہ باغ کی مثال توڑتی ہے مَیں پرماتما کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے نیک ہدایت کی اور مَیں دل سے اسلام کو سچا مذہب خیال کرکے مولانا کے دست مبارک پر قبول کرتا ہوں۔ آپ اس عاجز کے حق میں پراتھنا (دعا) فرماویں۔ اور ہمارے حضرت مولانا محمد مبارک حسن صاحب کے حق میں دعا کریں جو اس بندہ کے واسطے باعث نجات ہو۔

یہہ تقریر کرکے مولانا محمد مبارک حسن صاحب کی جانب بڑھے اور مجمع عام میں اسلام قبول کیا۔ اور اسلامی نام عبدالرحمان رکھا گیا۔ یہ موقع دیدہ زیب اور منظر دلفریب ملاحظہ سے تعلق رکھتا تھا۔ تمام ہندو آریہ قوم اٹھکر بھاگے اور مسلمانوں کی مسرت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک جوش تھا۔ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔

اخیر میں مولانا نے ایک تقریر بعنوان "اسلام دنیا میں کیونکر پھیلا" پرزور فرمائی۔ جسمیں ابتداء اسلام کے واقعات قرون اولیٰ کے حالات دکھلاتے ہوئے ثابت کردکھایا کہ دنیا میں اسلام کے سوائے کوئی مذہب حق نہیں۔ تقریباً دو گھنٹہ تقریر فرمائی۔

اب ہم اس خوشگوار منظر کا مختصر ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔ جو کہ میدان مناظرہ

سے اور عمارت مدرسۂ اسلامیہ قاسم العلوم خورجہ (کہ جسکے مولانا محمد مبارک حسن صاحب مدرس اعلیٰ ہیں) تک تمام جلسہ کے لوگ آئے ۔ ازدحام کثیر کے وقت بعض مسلمانوں نے اوسی وقت مصافحہ کرنا چاہا۔ مولانا نے منع فرمایا! ورمرزا صاحب مرحوم کے اکھاڑہ کو بیس پہلوانوں نے حلقہ کرلیا۔ اب جبکہ روانگی ہوئی تو مسلمانوں کی زبان پر کلمہ طیبہ کے اعلان کا شور تھا۔ نوجوان لڑکے اپنی ترکی ٹوپیاں اچھلتے تھے۔ اور باآواز کلمہ پڑھتے تھے۔ پھول بکھیرے گئے۔ ہار پہنائے گئے۔ غرض یہ موقع وہ تھا جو اسلامی دنیا میں ایک ممتاز شان رکھتا تھا۔ مدرسہ میں پہونچکر دو مسلمانوں کیجانب سے مٹھائی تقسیم ہوئی۔ اور پنڈت صاحب کی وضع کا تبادلہ ہوا۔ بعد میں مسجد مدرسہ میں پنڈت جی یعنی عبدالرحمان صاحب نومسلم نے نماز ادا کی ۔ خدا اون کو قایم رکھے دین مستقیم پر۔

وقت شام عبدالرحمان صاحب سابق پنڈت جی نے شام کے جلسہ میں ایک تقریر فرمائی۔ جسمیں آپنے گذشتہ اور موجودہ حالات بیان کرتے ہوئے خورجہ آنا اور قبول اسلام کے متعلق تقریر فرمانا اور دیگر مذاہب کا بطلان بیان کیا۔ ان واقعات کی مسرت کا نہ صرف اہل خورجہ پر بلکہ بیرونجات پر بھی یہ اثر تھا کہ مسلمانوں کو اپنی عمر میں اس اسلامی مسرت (جسکو تہنیت کے ساتھ تعبیر کرنا چاہیئے) اپنی نوعیت اور جدت میں یہ پہلا موقع تھا۔ گھروں میں بیبیاں راستوں میں بچے۔ مسجدوں میں نمازی غرض ہر جگہ مسلمانوں کی مجالس اس پاک ذکر سے پر رونق تھیں۔ شہر میں دیگر مقامات پر بھی پنڈت جی کی مجالس ہوتی رہیں۔ نہایت مسرت اور احترام کے ساتھ مسلمانان خورجہ نے بلند شہر کے مسلمانوں کی درخواست پر بلند شہر کو روانہ کیا۔

بنام مناظرہ پنڈت چندر پرکاش نومسلم کے اسلام لانے پر آریہ سماج خورجہ میں ہلچل پڑگئی اور اپنی ندامت دہونے کی صورت میں ایک اشتہار شایع کردیا۔ جسکی سرخی "خورجہ میں فرضی شدھی" تھی۔ اسمیں یہ ظاہر کیا تھا کہ یہ پنڈت مولینا صاحب

وطن سنبھل ہے۔ مولوی صاحب نے فرضی طور پر اونکو اپنی کسی غرض کے لئے مسلمان کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسمیں چیلنج مناظرہ بھی مبہم طور پر تھا۔ حالانکہ مولوی صاحب کا وطن سنبھل ضلع مرادآباد ہے اور پنڈت چندر پرکاش جی ضلع بجنور نجیب آباد کے تھے۔ مگر دروغ گو را حافظہ نباشد کی مصداق ہوا۔ اس کے جواب میں اہل اسلام خورجہ کی جانب سے اشتہار مندرجہ ذیل شائع ہوا۔ جس کے مقابلہ میں سماج کو سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

نقل اشتہار منجانب اہل اسلام خورجہ

اسلام کی ترقی پر سماج کے گھر ماتم

۵ نہ خنجر اوٹھیگا نہ تلوار ان سے ۰:۰ وہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

سطح زمین پر ہر گوشہ ملک میں اسلام کی ترقی ایسے زبردست طریقہ سے ظاہر ہو چکی ہے جسکا مخالفین نے بھی اپنی تحریرات میں آفتاب نیمروز کیطرح اقرار کیا ہے بلکہ گورنمنٹی مردم شماری نے مسلمانوں کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے جملہ مذاہب کو ثابت کر دکھایا ہے کہ اسلام کی ترقی عالمگیر ترقی ہے لیکن دیگر مذاہب خصوصاً سماج کرایہ کنندوں نے بے عقل ناہنجاروں کی تعداد بڑہانے کیلئے شدہی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خود غرض اور مغلوب الحواس لوگ وغیرہ کی خاطر اس سلسلہ میں داخل ہوتی ہیں اور اتمام غرض کے بعد ترک مذہب کرنے پر آریہ کو پریشانی ہوتی ہے۔ کہ وہ اخبارات کے ذریعہ سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو علیحدہ کر دیا۔ چنانچہ آریہ سماجی اپنے نوٹس میں ۷ ستمبر کے مترا اخبار کا حوالہ دیکر کسی شخص کے متعلق ظاہر کر رہے ہیں۔ لیکن اسکا حلیہ نہ ظاہر کیا۔ تاکہ غلطی کا انکشاف نہ ہو جاوے خورجہ میں عبدالرحمان نومسلم کا مسلمان ہونا یوں ناگوار ہوا ہے کہ کہیں یہ سلسلہ دیگر سماجیوں کو کلمہ طیبہ نہ پڑھا دے۔ کسی کے سینہ پر چوہا اتر گیا۔ اُس نے شور کر دیا کہ سانپ ہے جو ہاتھا بتائے جانے پر اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہے چوہا تھا

لیکن یوں شور کیا ہے کہ آئندہ کہیں سانپ نہ نکل آئے۔ اسکا انتظام ہو جانا چاہیے۔ ویدی ویدک سماجی دوستوں نے سوچکر ایک فرضی اشتہار جسمیں بلا قید تاریخ چیلنج بھی درج ہے، شائع کیا ہے۔ کہ مولوی صاحب نے جو ایک پنڈت کو مسلمان کر لیا ہے ایسا نہ ہو کہ کل آریہ سماج کا صفایا کردیں۔ اشتہار میں وید کی صداقت کا دعویٰ کرتے ہوئے لفظ چیلنج تو لکھدیا ہے لیکن یہ نہ تحریر فرمایا کہ کون تاریخ اور کس جگہ وید کی صداقت کا دعویٰ ظاہر ہوگا۔ تاکہ شیر اسلام اون کے دعویٰ کو ہیچ کرکے دکھلائیں۔ یاد رکھو کہ اسلام زندہ اور سچا دین مذہب ہے۔ اس کے مقابلہ میں اشتہار شائع کرنے سے پبلک دھوکہ میں نہیں آئیگی۔ اور اسلام کے مقابلہ میں ایسی کارروائی کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے۔ مسئلہ تاریخ کے تخصیص کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام تمام آریہ اصول کے باطل دعووں کے مقابلہ میں موجود ہے نومسلم کو فرضی مسلمان ہونا بتایا جاتا ہے۔ ہمیں علم غیب نہیں ہے کہ کسی کو قبل تجربہ پہچان لیں۔ اسکا معترض ہونا صاف بتاتا ہے۔ کہ قبل مباحثہ آریہ تھا۔ لہذا آریہ سماج کو اپنے مذہب پر اعتماد ہے تو وہ مجلس مناظرہ مقرر کرکے چیلنج دیں۔ مسلمان انکو دعوے کو باطل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔

المشتہرین۔ خادمان اسلام۔ شاہرخ بیگ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم۔ محمد ابراہیم خان۔ محمد اکبر خان۔ خلیل احمد !!

شہر میں یہ اشتہار شائع ہوا۔ اور شام کو مخدوم شاہ ولایت میں حضرت مولانا محمد مبارک حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم کا لکچر ہوا۔ ابتداء اسلام کے تاریخی واقعات دکھلاتے ہوئے حضرت ابوحذیفہ کی گرفتاری کے وقت ہرقل بادشاہ نے جو تکالیف پیش کی تھیں۔ انکی مفصل کیفیت پرجوش لہجہ میں بیان کی۔ اور مسلمانوں کے استقلال صبر تحمل کا ایسے زبردست پراثر الفاظ میں فرمایا۔ کہ ایک نوجوان آریہ سماج سکندرہ کشن لال نامی برادر کشن لال منتری آریہ سماج مشرف باسلام ہوا اور اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہ سلسلہ لکچر دو دن رکھا۔ اسی سلسلہ میں دو مرد

اور ایک عورت مشرف باسلام ہوئے۔

اب کیا تھا؟ آریہ سماج کے خرمن میں آگ لگ گئی۔ اور وہ جھجکی۔ کہ اگر یہ سلسلہ باقی رہا۔ تو خورجہ میں شاید کوئی آریہ رہے۔ غور اخیر پر غور کرکے ایک چٹھی دوسری فروری سنہ ۱۱ء کو بنام مشتہر بھیجی اور لکھا کہ اصول مندرجہ پر مناظرہ ہونا چاہئے

(۱) سوامی جی اور آنحضرت کی زندگی کا مقابلہ (۲) وید مقدس الہامی کتاب ہے یا قرآن شریف (۳) احادیث اور ستیارتھ پرکاش کا مقابلہ۔

اور بہت سے مضمون اسکی تائید میں بیکار لکھے تھے۔ ۲۔ فروری کو ہی اہل اسلام کیطرف سے جواب دیا گیا۔ جسکا خلاصہ یہ تھا۔ کہ آپ نے اصول کو نظرانداز فرمایا۔ فروعات کو اصول ٹھہرایا۔ یہ آپ لوگوں کی اصولی غلطی ہے۔ جو ہمیشہ ہوا کرتی ہے۔ اصول مناظرہ دو امر ہونے چاہئیں۔ انکے طے ہونے پر جملہ فروعات طے ہو جاوینگے یہ اصول مسلمہ تمام عالم ہیں۔ (۱) جملہ مذاہب کی قدر مشترک معلوم کرکے موازنہ کرنا۔ (۲) حقانیت مذہب کا معیار معلوم کرنا کہ وہ کیا ہے

اس کے بعد اور چٹھی آئی۔ جسکا جواب دندان شکن دیا گیا۔ آخر یہ امر قرار داد ہوا۔ کہ پیشتر آریہ سماج اور اہل اسلام یہ مباحثہ ہونا چاہئے۔ کہ کس کے نوشتہ اہل قابل عمل ہیں۔ چنانچہ ۴۔ فروری سنہ ۱۱ء جلسہ عام میں روبرو پبلک موضوع مناظرہ پر پنڈت مراری لال وکیل سماج اور مولانا محمد مبارک حسین صاحب وکیل اہل اسلام میں مباحثہ ہوا جسمیں پنڈت صاحب کو اپنی تحریر کردہ سند رجوع کرنا پڑا۔ اور بہت خفیف ہوئے۔ مضمون مناظرہ یہ طے ہوا کہ مذہب حق کی تعریف اور اُن کے معیار پر بحث ہوگی۔ دستخط فریقین ہو کر جلسہ برخواست ہوا۔ شرائط مناظرہ طے ہونے باقی تھے۔ اس درمیان میں حضرات حکیم نور کبیری کے مولانا کی خدمت میں شرکت جلسہ کی درخواست آئی اور مولانا نے عذر کیا لیکن اُن حضرات کے کمال اصرار پر ۲۴۔ فروری کو مولانا تشریف لے گئے۔ ۲۷۔ فروری کو جلسہ ختم ہوا۔ ۲۸۔ فروری کو مولانا وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ادھر آریہ سماج نے

میدان خالی دیکھکر پنڈت شانتی سروپ کو بلایا اور شہر میں نوٹس شائع کردیا کہ اونکا لیکچر ہوگا۔ اہل اسلام میں سے جو کوئی مقابل آئے تو آجانت ہو مسلمانان کو بڑی پریشانی ہوئی ۲۰۔ کی شام کو شب میں مولانا محمد مبارک حسین پہونچ گئے۔ اون سے کل واقعات سُننے کے بعد ایک نوٹس آریہ کے جواب میں اہل اسلام کی طرف شائع کردایا جسکی سرخی یہ تھی "شیر اسلام آگئے" اور ایک نوٹس ۷۔ بجے ۲۹ فروری کو پنڈت جی کے پاس بھیجدیا۔ پنڈت جی نے بجائے مناظرہ کرنے کے پلندہ باندھکر روانہ ہوجانا پسند کیا۔ اور ۱/۲ ۱ بجے کی گاڑی سے جان بچاکر چلیگئے۔ مولانا نے آریہ سماج خورجہ کو بہت شرم دلاتے ہوئے توجہ دلائی کہ آپ لوگ اوسکو بلائیں۔ ورنہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔ کہ پیچھے سب کچھ اور سامنے فرار۔ سماج خورجہ نے اس غیرت میں آکر شانتی سروپ کو پھر پکڑ بلایا۔ پنڈت جی نے مولانا سے مدرسہ میں آکر فرمایا کہ معمولی مناظرہ کا کچھ فائدہ نہیں۔ جو ہوا سو ہوا خیال چھوڑ دیجئے۔ شرائط اور تاریخ مناظرہ طے کر لیجئے۔ چنانچہ ۴ مارچ کو جلسہ شرائط ہوکر تاریخ مناظرہ قرار داد ہوئے۔ اسکے بعد ۱۰ مارچ کو ایک جلسہ ہوا جسمیں کچھ اور امور طے ہوئے۔ اور دستخط فریقین ہوگئے۔ تاریخ مناظرہ ۱۹۔ لغایۃ ۲۱ مارچ طے ہوئی۔ اس درمیان میں قصبہ سار اضلع میرٹھ کے مسلمانان کی درخواست آئی۔ مولانا کی طلبی کی۔ اگرچہ مولانا کو اپنی علالت کا عذر تھا۔ مگر چونکہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے بھی تحریر فرمایا تھا کہ اسمیں ضرور شرکت ہونی چاہیئے۔ مولانا ۱۵ مارچ کو تشریف لیگئے۔ ۱۷ مارچ کو وہاں کا مناظرہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ جسکی کیفیت مختصر صورت میں ہدیہ ناظرین مسلمانان سار الگ کردی ہے۔

۱۸ مارچ کو مولانا محمد مبارک حسین صاحب ۱۰ بجے تشریف لے آئے۔ اور دیگر علمائے کرام کی تشریف آوری شام ۶ بجے کی گاڑی سے ہوئی۔ چنانچہ مسلمانان خورجہ کی طرف سے استقبال کا باقاعدہ انتظام ہونا شروع ہوا۔

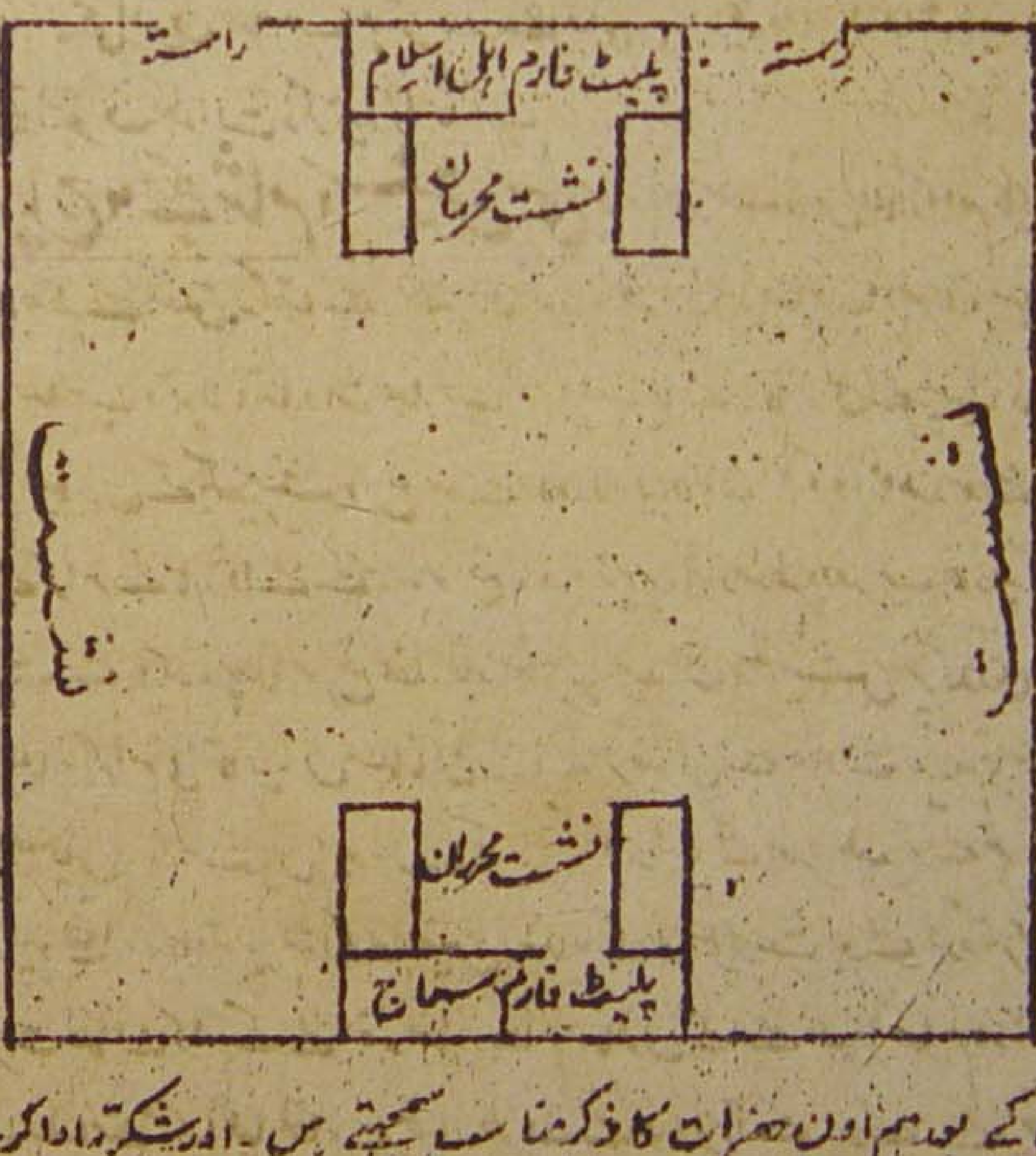
چنانچہ مندرجہ فہرست علمائے کرام مختلف ٹائم پر تشریف لائے جناب مولانا محمد سید انور شاہ صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند جناب مولانا صدر المناظرین سید مرتضیٰ حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد جناب راس المناظرین مولانا ثناءاللہ صاحب نظیر پنجاب امرتسری۔ جناب مولانا رئیس الواعظین محمد ابراہیم صاحب دہلوی۔ جناب مولانا محمد صدیق صاحب واعظ سنبھل۔ جناب مولانا سید حسن واعظ چاندپوری۔ جناب مولوی منتظم علی صاحب معین المدرسین مدرسہ امدادیہ۔ جناب مولوی محمد ادریس صاحب مدرس مدرسہ دیوبند۔ جناب مولوی کریم بخش صاحب صدر مدرس مدرسہ گلاوٹھی جناب مولانا محمد محی الدین صاحب مہتمم مدرسہ گلاوٹھی۔ نیز دیگر علمائے کرام تشریف لائے ہوئے تھے بخوف طوالت ذکر چھوڑا جاتا ہے۔

۱۸ مارچ ۶ بجے شام اسٹیشن سٹی پر | جو استقبال علمائے کرام کا کیا گیا وہ ملاحظہ سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب و مولانا ثناءاللہ صاحب تشریف لائے۔ گاڑی کے پلیٹ فارم پر ان پر پھولوں کے بکھیر شروع ہوئے۔ اور لا الہ الا اللہ کا آوازہ بلند ہوئے حضرات علمائے کرام کے ہار ڈالے گئے۔ یہ موقع دیدہ زیب اور منظر دلفریب خورجہ کو تاریخی حیثیت سے ایک پہلا موقع تھا۔ نماز مغرب میدان اسٹیشن پر گذاری۔ بعد میں علمائے کرام کی گاڑیاں مسلمانان نے اپنے ہاتھوں سے عمارت مدرسہ قاسم العلوم تک کھینچیں۔ راستہ میں پھولوں کے بکھیر اور کلمہ طیبہ کے نعرہ بلند کرتے ہوئے مدرسہ تک پہونچے۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ مخالفین اسلام کے حوصلے پست ہوئے اور کمر ہمت ٹوٹگئی حضرات علمائے کرام کے لئے خصوصاً اور عام مہمانوں کے لئے عموماً طعام ورہائش کا باضابطہ انتظام کیا گیا تھا۔ ہر چہار طرف سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ جو کمیٹی انتظامیہ کی حسن انتظامی کی داد دیگئے۔

* اس خوشگوار منظر سے مخالفین اسلام عش عش کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی شوکت کو تحیر کی نگاہ سے دیکھکر ششدر رہ گئے۔

پنڈال

اہل اسلام اور آریہ سماج کی شرکت سے تیار کرایا گیا تھا۔ نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے جملہ راحتوں کا لحاظ کرکے تیار کرایا گیا تھا۔ فریقین کے واسطے پلیٹ فارم تیار تھے: میز کرسیاں نصب تھیں تمامیانون سے مسقف تھا۔ نصف حصہ میں اہل اسلام اور نصف میں سماجی بیٹھے تھے پانی وغیرہ کا انتظام فریقین کا کردیا تھا۔ مجسٹریٹ کی اجازت سے پولیس کا انتظام تھا۔ یہ پنڈال جس میں لالہ دیوہ رام صاحب چیرمین آنریری مجسٹریٹ خورجہ میں واقع تھا۔



اس کے بعد ہم اون حضرات کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔ اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنھوں نے ہمارے اس کام میں اعانت فرمائی۔

خانصاحب سردار شاہرخ بیگ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم۔ محمد اسحٰق خان محمد ابراہیم خان۔ حافظ خلیل احمد۔

مدرسین و اراکین مدرسہ قاسم العلوم

مولانا محمد مبارک حسین صاحب مہتمم مدرسہ و بانی جلسہ مناظرہ۔ مولوی نور احمد صاحب مدرس دوم۔ قاری سراج احمد صاحب مدرس مدرسہ۔ چودہری احمد حسن صاحب مربی مدرسہ۔ عبد الرحیم صاحب ممبر مدرسہ۔ حاجی خدا بخش ممبر مدرسہ۔ عبد الغنی ممبر مدرسہ۔

محمڈن سوسائٹی

حافظ محمد شفیع صاحب سوداگر مہتمم مدرسہ۔ و نیز طلبہ مدرسہ منشی علی حسن صاحب سب اورسیر سکرٹری سوسائٹی۔ عبد الحمید صاحب سید احمد صاحب سید حسن صاحب فضل اللہ صاحب مشتاق احمد صاحب۔ سید احمد صاحب۔ محمد عثمان صاحب علی حسن صاحب۔ فیاض حسین صاحب۔ محمد صدیق۔ عبد السبحان۔ عبد العلیم خان۔ منشی خیرات اللہ صاحب۔ منشی عبد اللہ صاحب۔ اس جماعت نے اپنا نام عنوان بالا سے موسوم کیا تھا۔ اکرام اللہ خاں۔ سعید حسن۔ منشی قادر داد خان صاحب رئیس یوسف خانصاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ منشی محمد عنایت اللہ خانصاحب رئیس مرزا نواب بیگ صاحب۔ محمد حسین خانصاحب۔ بابو محمد اسحاق صاحب۔ عبد المجید صاحب سوداگر محمد اسحاق خانصاحب۔ داد خان صاحب۔ نیز دیگر عمائد شہر شریک تھے۔ شیخ جانثین کی معرفت ہائیر سے معقول امداد ہوئی گلوٹھی کے مسلمانوں نے اچھی امداد کی۔ دیہات خورجہ نے امداد دی۔ محلہ کلاں کے چند لڑکوں نے بڑی جانبازی سے کام انجام دیا۔ یہ سب اصحاب شکریہ کے مستحق ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

معذرت

بعض علمائے کرام بوجہ عذر نہ تشریف لاسکے۔ مثلاً حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب مدظلہ صدر

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور و سرپرست مدرسہ قاسم العلوم خورجہ بوجہ علالت جلسہ سے بیشتر حضرت موصوف کی معذرت کی خبریں موصول ہوگئی تھیں

خادمان، محمد اسحق خاں محمد ابراہیم خاں خلیل احمد۔ مرزا شاہرخ بیگ

مہتمم مدرسہ قاسم العلوم خورجہ۔

۱۹ مارچ کو ٹھیک وقت مناظرہ پر فریقین میدان مناظرہ میں پہونچے۔ اور مقابل ہو کر اہل اسلام کے صدر جلسہ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب اور مناظر مولانا ثناء اللہ صاحب مقرر ہوئے۔ اور سماج کی جانب سے پنڈت مراری لال صدر اور مہاشہ شانتی سروپ مناظر قرار دیئے گئے۔ بجائے گفتگو شروع ہونے کے پنڈت مراری لال جی نے ترمیم شرائط مناظرہ کے متعلق گفتگو شروع کردی۔ اور حسب عادت تضیع اوقات میں مصروف ہوئے مولانا صاحب نے صاف لفظوں میں فرمایا۔ کہ ان شرائط پر آپکو مناظرہ کرنا ہو یا نہیں صاف جواب دو۔ اسی جھگڑے میں وقت تمام ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کا ترمیم چاہنا آپکی کھلی کمزوری ہے۔ لیکن ہم کو لکھدیجئے کہ ہم استدعا کرتے ہیں۔ تب ہم ترمیم احساناً کر دینگے۔ استدعا لکھنے سے پنڈت جی نے انکار کیا۔ اخیر ۱۹۔ مارچ شام کو دس بجے آریہ سماج کی طرف سے استدعا لکھی گئی۔ (جو ان کے واسطے سخت ندامت کا باعث ہوئی) جو پنڈت شیو دیال کے قلم اور کشن لال منتری آریہ سماج کے دستخط شدہ وصول ہوئے۔ اسپر انکی استدعا منظور کی۔ اور مناظرہ ۲۰۔ مارچ سے شروع ہوا۔ لیکن یہ کمزوری آریہ سماج کو تا زندگی یاد رہیگی۔ اور اہل اسلام کا احسان فراموش نہ کرینگے۔ یہ طے ہو گیا تھا کہ فریقین تقریر فرمائینگے۔ وہ تقریریں قلمبند ہو جاوینگی۔ تبادلہ تحریر بہ ثبت دستخط ہوگا۔ چنانچہ ہوا۔ یہ بھی طے شدہ تھا کہ جو جج بطور حکم مقرر ہوئے تھے۔ انکا فیصلہ قطعی ہوگا چنانچہ ناظرین نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ فیصلہ یہ مشتہر ہیں۔

پرچہ نمبر اوّل

از جانب مولینا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری وکیل اہل اسلام

صاحبان! مذہب حق کی تعریف سے آج بحث شروع ہوتی ہے۔ مذہب کی ضرورت جاننے سے مذہب کی تعریف ثابت ہوسکتی ہے۔ مذہب کی ضرورت انسان کو کیوں ہے؟ مذہب کی ضرورت انسان کو اس لئے ہے کہ قدرتی طور پر انسان کو جو ضرورتیں پیش آتی ہیں۔ اون میں مذہب اوسکی رہنمائی کرے۔ انسان کے تعلقات دنیا میں مختلف ہیں۔ سب سے پہلا تعلق اسکا اس کے مالک کے ساتھ ہے جس کو خدا یا پرماتما کہیں۔ دوسری قسم تعلقات کی انسانوں میں ہے۔ جو بجہت مختلف ہیں۔ ایک تعلق اسکا ماں باپ سے ہے۔ تو دوسرا تعلق اولاد سے ہے۔ ایک تعلق حاکم سے ہے تو دوسرا محکوم سے ہے۔ کبھی یہ آدمی دنیا میں حاکم کی شکل میں آتا ہے کبھی رعیت کی صورت میں قدرتی تعلقات اس کے پیدا ہونے شروع ہوجاتے ہیں مگر بلوغت کے زمانہ کے بعد ایک مصنوعی تعلق بھی ہوتا ہے جسکو تعلق زوجیت یا زن و شوہر کا تعلق کہتے ہیں۔ مرد کو عورت کی عورت کو مرد کی ضرورت قدرتی ہے۔ گو یہ تعلق انسان کا اختیاری فعل ہے۔ تاہم انسان اس تعلق میں بھی محتاج ہے۔ کہ مجھکو بتایا جاوے کہ میں کیسی عورت سے یا مرد سے تعلق پیدا کروں۔ دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے۔ کہ نکاح کے بارہ میں وہ محتاج ہے کہ مذہب اوسکی رہنمائی کرے اور یہ بتلائے کہ فلاں قسم کی عورتوں اور فلاں مردوں سے نکاح جائز ہے اور فلاں سے جائز نہیں۔ اس کے بعد ایک اور ضرورت ہے جو موت کے بعد کا زمانہ ہے۔ میت کی جائداد کی تقسیم کا وقت ہے۔ ضرورت ہے کہ مذہب بتلائے کہ فلاں فلاں مرد و عورت اس کے وارث ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا میں جسقدر ضرورتیں انکی پیش آتی تھیں ہندو مسلمان

عیسائی وغیرہ سب برابر ہیں۔ ان کے متعلق پوری ہدایت کرنیوالا مذہب حق ہے
پس مذہب حق کی تعریف یہ ہے۔ جسکی کتاب الہام کا دعویٰ کرکے خدا کیطرف
سے جس ملہم پر آوے اوسکا نام بتائے۔ ملہم خدا کے بتانے سے دنیا کو وہ احکام اوامر و تمدن و
کیواسطے جاری کرے اور بندوں کو سکھلائے۔ قرآن شریف اسلام کی کتاب ہی
اوسمیں ان سب مزہبوں کے متعلق اصول احکام ملتے ہیں۔ خدا کی عبادت کا
حکم ہے۔ ماں باپ کی تابعداری کا حکم بچوں کی پرورش کا حکم ہے۔ رشتہ میں
جن عورتوں سے نکاح کی اجازت ہو۔ اوکی فہرست ہے۔ اور جن سے تعلق
نکاح خدا کو منظور نہیں اوکی فہرست ہے مرنے کے بعد تقسیم میراث کی قاعدے
ہیں۔ ہر دعوی دلیل کے لئے بہت طوالت چاہتا ہے۔ جو صاحب اصل الفاظ
میں اونکو دیکھنا چاہیں وہ ہماری کتاب مباحثہ الہامی کتاب اور القرآن العظیم مطالعہ کریں
اس کے علاوہ مذہب حق کی کتاب میں اسکا بھیجنے والا لانے والے کو بصیغہ امر
حکم کرے کہ تو لوگوں کو یہ پہونچا دے۔ جیسے قرآن میں صیغے
امر کے موجود ہیں جیسے قُل هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ اس کے مقابلہ
میں ہماری ملکی مذہبی کتاب وید ہے۔ اسمیں ضروریات
انسانی کی بابت کوئی حکم نہیں۔ یہ بھی نہیں کہ
ہندو کتنی قسم کی عورتوں سے شادی کرے
یہاں تک کہ قریبی رشتہ ماں بہن
بیٹی کے ساتھ بھی کوئی ہدایت
نہیں معلوم ہوتی۔
مختصر
یہ ہے
کہ
مذہب حق

وہ ہے کہ جو انسان کی جملہ ضروریات قدرتی میں انسان کا ہادی ہو اور پورے طور پر رہنمائی کرے۔ اگر وہ ایسا مذہب اور کتاب نہیں ہے۔ تو کہا جائیگا کہ ایسے مذہب و کتاب کو قبول کرنا اور دوسرے کا محتاج ہونا وہی مثال ہے۔ کہ

"تیلی بھی کیا اور روکھا کھایا"

شکر ہے کہ قرآن ان جملہ مراتب میں کامل آیا ہے جس پر میں یہ کہکر اپنے پہلے بیان کو ختم کرتا ہوں اور ایک فقرہ لکھتا ہوں۔ کہ قرآن زندوں کی ضروریات کے علاوہ مُردوں کی ضروریات بھی پوری کرتا ہے۔ کہ میت کی جائیداد لڑکے کو لڑکی سے دُگنا خاوند کو بیوی سے دُگنا۔ اُس کو اتنا اِس کو اتنا ملے۔ مختصر

یہ

کہ قرآن کی بابت یہ

شعر

بالکل ٹھیک

ہے

٥

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

پرچہ نمبر اوّل

از مہاشہ شانتی سروپ جی وکیل آریہ سماج

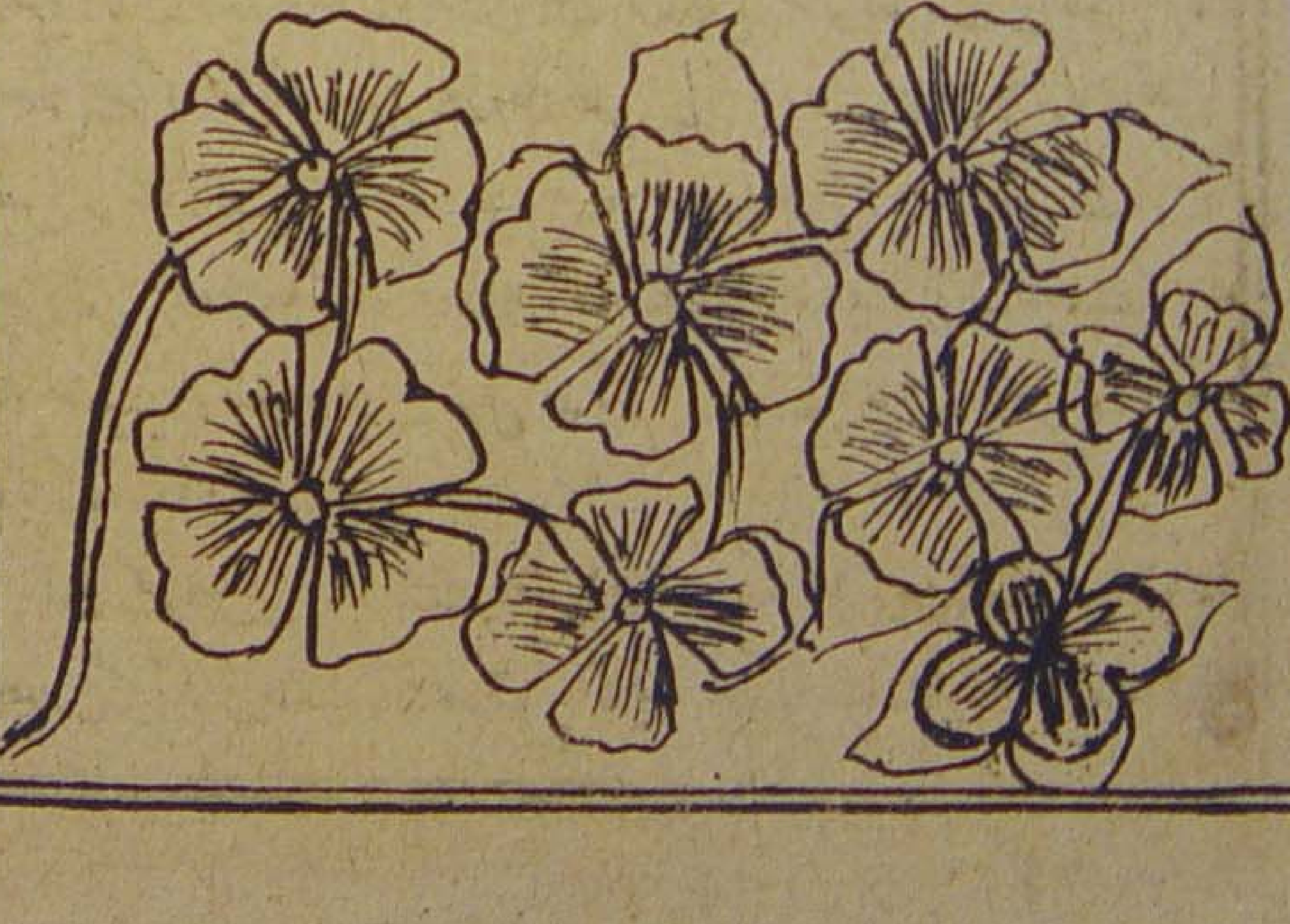
معزز سامعین! بہتر ہوتا کہ میرے مکرم معظم مدعی رہتے۔ رنیم کا پاس ہونا چاہئے اس لئے کہ وہ کچھ ویدوں کے اندر نقص پیدا کرتے ہیں مبارک سمجھتا کہ اسوقت کو وہ انہیں ختم کرتے۔ تعریف اور چیز ہوتی ہے اقسام اور ہوتے ہیں۔ بہت سا حصہ آپکا بجائے اسکے تعریف میں۔ کہیں محکوم کہیں حاکم کا بیان کیا گیا۔ آپ نے آخر میں جاکر یہ فرمایا ہے جسکی کتاب الہام کا دعویٰ کرے۔ جس ملہم پر آوے اوسکا نام بتاوے۔ جو احکام خدا کی طرف سے بتلائے گئے ہیں۔ جاری کرے اور وہ بصیغہ امر ہوں اور تمام ضروریات کو پورا کرے۔ اگر میں اپنی ایک کتاب بنا دوں۔ اگر میں امر نہی کے صیغے بھی درج کردوں۔ اور نام بتا دوں۔ وہ احکام جاری بھی ہو جائیں۔ وہ کتاب میری آپ کو کلام الٰہی ماننا پڑیگا۔ کہ کلام الٰہی کتاب کا دعویٰ کرے۔ نام بھی بتائے۔ میری دانست میں یہ تعریف مابہ الامتیاز جامع اور مانع نہیں ہے۔ کہ ممتاز نہیں کرتی۔ اس لئے آپ نے بجائے اس کے کہ ڈفنس کو مکمل کرتے۔ جو تعریف جامع نہیں مانع نہیں وہ نامکمل ہے۔

بصد ادب التماس ہے کہ اور اقسام و فروعات پیچھے جائیں پہلے تعریف بیان کریں۔ کلام انسان بھی کلام رحمان ہوسکتا ہے کیونکہ تعریف مانع نہیں۔ نکاح و میراث کے مسئلہ کو گنا اور باقی کو چھوڑا۔ اتنا کافی تھا کہ جملہ ضروریات کو پورا کرے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف جملہ مراتب میں کامیاب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کامیاب نہیں۔ کیونکہ خدا کیطرف بدی کی نسبت کرتا ہے۔ کلام انسانی

سے بھی گرا ہوا ہے سیپارہ ۲۴۔ منزل ۶۔ سورہ مومنین رکوع ۲۔
جس شخص کو خدا گمراہ کرتا ہے۔ اوسکو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔ خدا بے عیب نہ رہا۔ جبکہ ایک انسان بھی گناہ کرتا ہے شیطان بھی۔ خدا بھی گناہ کرتا ہے انسان بھی۔ ایسی صورت میں خدا کے لئے یہ ہے کہ وہ جمیع عیب سے مبرا ہو۔ اوسکی یہ شان ہے۔ ایسی حالت میں قرآن کی آیت میں خدا کی طرف بدی کی نسبت ہوئی تو وہ خدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہر مراتب میں کامیاب نہیں۔ جبکہ خدا پاک نہیں تو خدا خدا نہیں ٹھیر سکتا۔ اور قرآن شریف کلام الٰہی نہیں۔ رسول محمد علیہ السلام رسول نہیں ٹھیرے اگر آپ مانتے ہیں۔ خدا وہ ہے جو حقیقت میں خدا ہو۔ نبیوں کی پوزیشن ٹھیک نہیں ہے۔ تو انسان کی ضرورت کو کہاں پورا کرتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ ضرورت کہاں پوری ہوئی۔ وہ تو گناہ کراتا ہے۔ قصور کیا ہے۔ تو قصور کی سزا قصور نہیں ہو سکتی۔ اگر مجسٹریٹ چوری کی سزا چوری پر قایم رکھنے کی سزا دے تو مجرم و مجسٹریٹ دونوں مجرم ہیں۔ اگر میں نے چوری کی مجھے سزا دی یا تو چوری جرم نہیں۔ گمراہی پاپ ہے۔ ایک شخص مسلم ہونا چاہتا ہے مسلم ہونے سے باز رکھنا اور کفر پر قایم رکھنا اگرچہ اوسکی سرکشی کی وجہ سے جرم ہے۔ یہ ایک آیت آپکے سامنے رکھی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ بعض کیلئے کرتا بھی ہے تو بعض کے لئے نہیں کرتا اس لئے کہ مرض کو دور کرنے والا حکیم ہے۔ مرض کو بڑھانیوالا حکیم نہیں ہو سکتا۔ البتہ اون کے دلوں میں ادہرم کا مرض ہے۔ اللہ نے اوس مرض کو زیادہ کر دیا۔ گناہ پر قایم رکھا۔ گناہ بڑھایا۔ یہ سزا خدا دیتا ہے۔
پہلا سیپارہ پہلا رکوع الم فی قلوبہم مرض اون کے دلمیں ادھرم کو زیادہ کر دیا ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ۔
اون کے دلمیں ادہرم کے روگ کو کیوں بڑھایا۔ میں جھوٹ بولتا ہوں تو جھوٹ کی سزا دیجائے۔ نہ کہ جھوٹ پر قایم رکھا جائے۔ لیکن خدا نے کہا کہ اس

عوض میں کہ جھوٹ بولا جھوٹ کو بڑھا دیا۔ غور کا مقام ہے کہ ضرورت پوری ہوئی یا ادہر م بڑھا۔ جو پاپ کو بڑھاتا ہے وہ رہنمائی نہیں کر سکتا۔ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ مذکور ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ خواہش کرتے ہیں کافر کے مسلم ہونیکی۔ خداوند کریم کہتاہے بہ تحقیق اون لوگوں نے کفر کیا ہے۔ امن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائینگے۔

سادہ لفافہ پر کوئی مہر لگادے اور کوئی مانگے کہ یہ مجھے دیدو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ مفید نہیں ہے۔ اس سے کام نہیں لے سکتا۔ کیونکہ مہر لگ گئی۔ بعینہٖ ایسے ہی خدانے کافروں کے دل پر مخالفت کی وجہ سے مہر لگادی۔ اونکی شان میں خدا نے یہ کہا کہ چونکہ خدانے اون کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ وہ ایمان نہیں لائینگے ایک مسلم غیر مسلم کو مسلم ہونے سے باز رکھے یہ جرم ہے۔ پس اگر ایسا کرتا ہے وہ مجرم ہے۔ شیطان کرتا ہے وہ بُرا ہے۔ خدا بھی مسلم ہونے سے باز رکھے تو دو جرم اس پر ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں مسلم ہونے سے باز رکھنا اور کفر پر قائم رکھنا یہ جرم خدا کی طرف منسوب ہوگیا۔ خدا گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے خدا خدا نہیں یہ کلام الٰہی حق نہیں۔ رسول رسول نہیں۔ کہ کلام الٰہی کلام الٰہی نہیں۔ رسول کی رسالت اُڑ گئی۔



پرچہ نمبر (۳)

از مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری وکیل اہل اسلام

صاحبان! ہمارے سامنے دو چیزیں ہیں جنمیں سے ایک تو مسلّمہ ہے۔ دوسری میں گفتگو ہے۔ مسلّمہ قانون قدرت ہے جسکو خدا کا فعل کہا جاتا ہے اور کتاب اوس کا لفظ ہے۔ لفظوں کو اگر خدا کے فعل کیساتھ مطابقت ہے تو وہ الفاظ صحیح ہیں۔ اگر وہ الفاظ خدا کے قانون کے برخلاف ہیں تو مخالف ہیں۔ قانون قدرت ہے جو آدمی اپنی طاقتوں سے کام نہ لے بلکہ اون کو الٹا استعمال کرے تو وہ طاقتیں زائل ہوجاتی ہیں۔ یہ میری بانہہ ہے جو بڑا کام دیتی ہے اگر میں چند روز تک کھڑی رکھوں اور جس کام کے لئے خدا نے پیدا کی ہے وہ کام نہ کروں تو جو طاقت قدرت نے دی ہے فنا ہو جائیگی۔ اور بجائے آرام دینے کے مجھکو تکلیف دیگی۔ اور کھڑی کی کھڑی سوکھجائیگی۔ اسکی مثالیں بہت سے سادہوؤں میں دیکھی ہونگی وہ قوائے فطریہ جو خدا نے انسان کے اندر ہدایت پانے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ جب اون سے وہ کام نہیں لیتا۔ وہ ضائع ہوجاتی ہیں۔ یہی معنے ہیں اون آیتوں کے جو پہارتہ جی نے پڑہی ہیں۔ جنکا مطلب یہ ہے۔ کہ جو لوگ خدا کیطرف نہیں جھکتے ہیں۔ اور جو طاقتیں خدا کو پہچاننے کے لئے خدا نے دی ہیں۔ اون سے کام نہیں لیتے۔ تو وہ قوتیں بھی سوکھ جاتی ہیں اسی کا نام ہے۔ مَن یُضلِلِ اللہُ فلا ھادِیَ لہٗ۔

قرآن پاک خود اس کے معنی بتلاتا ہے کذلک یطبع اللہ علیٰ کل قلب متکبر جبار خدا ہر ایک سرکش کے دل پر مُہر کرتا ہے۔ اسی کی تائید آریوں کے گرو سوامی دیانند جی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "بودہوں نے خدا کو چھوڑا۔ اس چھوڑنے

کا نتیجہ بلا کدہ اور گمراہی میں بڑھ گئے" یہی معنے ہیں فزادھم اللہ مرضا
غرض یہ ہے کہ قرآن شریف قانون قدرت کا ساتھ دیتا ہے۔ اور اسکی سچائی
کا ثبوت ہے۔ ویدوں کا ذکر علمی قاعدہ سے کیا ہے۔ جسکو ان لفظوں
میں ذکر کیا جاتا ہے۔ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ یعنی
چیزیں مقابلہ میں پرکھی جاتی ہیں۔ اقسام کا بیان کرنا بے شک تعریف سے
پیچھے ہوتا ہے مگر مہاشہ جی نے نہیں سمجھا۔ کہ یہ اقسام تعریف کی نہیں ہیں۔ بلکہ
یہ اقسام ضرورت ہیں۔ ان اقسام سے تعریف کو میں نے ماخوذ کیا ہے۔ بڑی
بات آپ نے یہ کہی ہے کہ میں ایک کتاب ایسی بنا لوں تو وہ الہامی ہو سکتی
ہے۔ میں نے اپنی تعریف میں ایک لفظ رکھا تھا جس پر آپ نے غور نہیں کیا
میں اوسکی شرح قرآن شریف کے الفاظ سے بیان کرتا ہوں۔ قرآن
کی خوبی ہے کہ وہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آج کے سوال کا جواب دیتا ہے
چنانچہ نبی کو حکم دیتا ہے کہ تو لوگوں کو کہدے۔ فقد لبثت فیکم عمرا
من قبلہ افلا تعقلون۔ اے لوگو میں تم میں بڑی عمر رہ چکا ہوں۔ تم نے
میرا معاملہ میرا سچ جھوٹ دیکھا۔ کیا تم عقل نہیں کرتے۔ کہ میرے جیسا آدمی
جو بندوں پر جھوٹ نہ بولے۔ وہ خدا پر جھوٹ بولکر نبی کیسے کہلا سکتا ہے۔
"اس قاعدہ کے مطابق ہم آزما سکتے ہیں آپ دعویٰ کیجئے۔ کتاب شائع
کیجئے۔ ہم قرآن ہی سے جواب دینگے۔ آپکا دعوےٰ غلط ہوگا۔ علاوہ اس کے
ایسے مدعیوں کو قرآن نے دوسری طرح پکڑا ہے۔ لوکان من عند غیر اللہ
لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

جو کتاب خدا کی طرف سے نہ ہو اور بنائی گئی ہو اوس میں اختلاف کثیر
ہوتا ہے۔ آپ کتاب شائع کیجئے ہم بھی دیکھ لینگے یاد رکھئے آپکی کتاب کی
مسیلمہ اور اسود عنسی مدعیان نبوت کاذبہ کی کتابوں سے زیادہ عزت
نہ ہوگی۔ بدی کی نسبت کا جواب دے چکا ہوں۔ قانون انگریزی میں جس مجرم کو

ہائیکورٹ سے سزائے پھانسی ہو۔ تو کہا جائیگا کہ اسکو زندہ رکھنے والا کوئی نہیں۔ دنیا میں مراتب مختلف ہیں۔ ایک پر ایک غالب ہے۔ ایک کیسا ہی شریر ہے۔ جو نیک صحبت میں پاک ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک آدمی ایسا ضدی ہے کہ اسکو کسی کی صحبت اثر نہیں کرتی۔ جس کے حق میں سوامی دیانند جی کہتے ہیں۔ ایسے ضدی کو جواب نہ دیا جاوے۔ بلکہ اوس کے سامنے دیوار کیطرح ہو جاؤ۔ یہ ضدی جب ضد میں ترقی کرتا ہے۔ تو خدا کیطرف سے ہائیکورٹ کیطرح سے ایسے ضدی پر حکم لگایا جاتا ہے۔ کہ اس کے لئے ہدایت کا راستہ بند ہے یہی معنے ہیں فلا ھادی لہ۔ ورنہ اگر وہ دل سے ہدایت کیطرف آنا چاہیئے جیسا حاشی جی کہتے ہیں تو قرآن مجید اوس کے لئے راستہ کھولتا ہے یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ جو کوئی خدا کیطرف جھکے۔ خدا اوسکو ہدایت کرتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ قرآن انسان کی جملہ ضروریات کو خوبی سے بیان کرتا ہے۔ جس پر میں صرف یہ شعر پڑھتا ہوں۔

کیا جانے تجھ میں کیا ہو کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی ✦ یوں اور کیا جہان میں کم حسین ہیں

پرچہ نمبر (۲)

از مہاشہ شانتی سروپ جی منجانب آریہ سماج

آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جسمیں اختلاف ہو وہ کلام الٰہی نہیں۔ شرک کو بدی میں داخل کیا گیا۔ لیکن پھر اوسی شرک کو نیکی میں داخل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شرک کرنیوالے فرشتے فرمانبردار شمار کئے جاتے ہیں۔ اور شرک سے نفرت کرنیوالا نافرمان بردار ہے۔ نتیجہ اس سے نکلا ہے کہ اختلاف ہے۔ خدا صادق نہیں۔ عادل نہیں کیونکہ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی کہا گیا۔ نیکو کار کو بدکار قرار کر کے مردود کیا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ شرک کیا جاوے۔ سوائے اس کے سب بخش دیتا ہے

نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شرک بدی ہے اسلئے۔ قرآن شریف کے اندر نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی کہا گیا۔ لہذا قرآن شریف کلام الہٰی نہیں۔ یہ اختلاف پایا گیا۔

ہاتھ کی مثال بالکل غلط ایمان لانے کی طاقت اعتقادی ہے۔ خواہ بطلان پر ہو خواہ امرحق پر ہو۔ وہ چیز بنفسہ موجود رہتی ہے۔ اسلئے یہ مثال غلط ہائیکورٹ کی مثال غلط۔ چوری کی سزا چوری پر قایم رکھا کسی ہائیکورٹ نے نہیں دی۔

بدہوں کی مثال دی وہ گمراہی میں بڑھ گئے۔ خدا نے نہیں بڑھایا۔ قرآن شریف میں خدا گمراہی میں بڑھاتا ہے۔ خدا گمراہ کرتا ہے یُضِلُّ فعل ہے۔ اللہ اوس کا صاف فاعل ہے۔ فعل بد کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

جتنی مثالیں آپ نے پرائیویٹ دی ہیں اس سے کچھ تحقیق نہیں رکھی مولوی صاحب کا فرض تھا۔ قرآن شریف کی آیت پڑھتے اور ترجمہ کرتے۔ یہاں تو صاف کریا ہے یضلل اور کرتا اللہ ہے شانتی سروپ نے مارا۔ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ مقتول خود مرگیا۔ خدا نے گمراہ کیا۔ اسکا مطلب کہاں ہے۔ کہ خود گمراہ ہوگیا۔ وہاں تو خدا صاف فاعل ہے کہ خدا گمراہ کرتا ہے خدا صاف فاعل ہے۔ خودبخود کا لفظ آپکا بڑھایا ہوا ہے۔ یضل اللہ میں اللہ کے لفظ کو اڑا کر خودبخود کا لفظ رکھئے۔ کیونکہ فاعل خدا ہے نہ کہ انسان خود۔

آپ نے فرمایا کہ آجتک کے سوالات قرآن نے حل کر دیئے۔ میں سوال کرتا ہوں کہ دنیا کب سے ہے؟ اور کیسے؟ نبی اور قیامت کب ہوگی۔ اور روح کیا چیز ہے؟ یہ سوالات ہیں جنکا جواب دینے میں قرآن شریف دم بخود ہے یعنی خاموش ہے۔ دوسری پوزیشن کلام الہٰی کے ہونیکی یہ ہے۔ کہ رسول بے گناہ ہو۔ لیکن خدا کیطرف جیسے بدی کی نسبت ہوتی ہے۔ ویسے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بدی کی نسبت قرآنی آیت سے ثابت ہے۔

اے نبی کس لئے حرام کیا تو نے۔ اوس چیز کو کہ حلال کیا اللہ نے واسطے تیرے۔ ڈھونڈھتا ہے تو مرضی اور خواہش اپنی عورتوں کی اللہ غفور اور رحیم ہے۔ غفور کا لفظ وہاں آتا ہے۔ جہاں پہلے کسی گناہگار سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے۔ خدا کے حلال کئے ہوئے کو اگر مسلمان مثلاً گیہوں یا جتنی چیزیں جائز ہیں۔ کوئی مسلمان اونکو حرام قرار کر دے۔ یہ کفر ہے۔ بس۔ اس آیت سے ثابت ہوا۔ کہ خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنی عورتوں کی وجہ سے اپنی عورتوں کی مرضی اور خواہشات کی وجہ سے محمد علیہ السلام نے خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیا۔ اس کی نسبت دو قصے ہیں۔ کہ ماریا قبطیہ لونڈی کی نسبت ہے کہ ایک دن آپ کی زوجہ کی باری تھی اوسکی بجائے ماریا قبطیہ لونڈی سے آپ نے صحبت کی۔ پس چونکہ اس بیوی کا حق چھینا یہ ظلم خدا کے نبی نے اپنی بیوی کی باری کے دن لونڈی سے فعل کیا۔ یہ بے انصافی کی سبب انصافی ایک جرم اور بیوی کے خفا ہونے پر خدا کی جانب سے جو لونڈی حلال تھی۔ اسکو حرام کر لینا یہ دوسرا جرم۔

دوسری جگہ مذکور ہے۔ سورہ ضحیٰ کے اندر مذکور ہے۔ تجھکو پایا گمراہ پس ہدایت کی۔ خداوندکریم جبکہ فرماتے ہیں۔ تو گمراہ تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ گمراہ تھے۔ آپکو راہ راست پر لایا۔

دوسری آیت ہے۔

پس اوس شخص کو

اسلامی پریزیڈنٹ صاحب کی فرمائش پر ماریا قبطیہ کا قصہ سنایا گیا
(شانتی سروپ)

تقاریر مباحثہ روز دوم تاریخ ۱۴ مارچ سنہ ۱۹۱۸ پنجشنبہ وقت ۲ بجے

پرچہ نمبر (۱) از مہاشہ رام چندر جی وکیل آریہ سماج

معزز حاضرین! اسمیں کوئی شک نہیں کہ انسانی خواص اور پرکرتی اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ کہ یہ کسی ایسی بات کا محتاج ہے۔ جو تمام علوم کا واقف ہو۔ اس عالم کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اب مذہب حق جس کو کہا جاتا ہے۔ وہ یہی ہے جسمیں ایسے احکامات درج ہوں۔ جس سے تمام ضروریات پوری ہوسکیں۔ لیکن یہ بھی ساتھ ہی معلوم رہنا چاہیئے۔ کہ اوسکا رہنا اوسی وقت سے ضروری ہے جب سے انسان دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ اگر کچھ زمانہ تک خالی رکھا اور پھر اسطرح کی بات کا اظہار ہوا اسکا ہونا کبھی بھی خدا کی طرف سے ماننے کے قابل نہیں۔ جب اسکا خدا کی طرف سے اظہار ہوگا۔ تو کسی زبان کے ذریعہ سے ہونا چاہیئے۔ جسکو کہ ان پوتر آتماؤں نے جس پر وہ پہلے ظاہر ہوا ہے۔ بچوں کی طرح سے جو اپنے ماں باپ سے زبان کو سیکھتے ہیں۔ سیکھ لیا ہو۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ زبان خدا کیطرف سے نہ ہوگی۔ اور خدا کسی انسانی زبان کا محتاج ہوگا۔ تو ایک زبردست نقص ذات خدا میں عائد ہوگا۔ کیونکہ سوال ہوسکتا ہے۔ کہ پہلے زبان ہے یا پہلے الہام۔ اگر پہلے زبان ہے تو بغیر معنے الہام کے کیونکر معلوم ہوئی۔ اگر پہلے الہام ہے۔ تو زبان ساتھ ساتھ ہونی چاہیئے۔ سب سے بڑے اعتراضات جو ان کے سمبندھ میں کئے گئے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ جس کتاب میں دائے بھاگ یعنی ترکہ کا ذکر نہیں۔ وہ خدا کی قدرت کی طرف سے نہیں۔ جس میں رشتہ داروں کے متعلق کہ کن رشتوں میں شادی کرنی چاہیئے۔ کن میں نہیں یہ بیان لکھیں کہ وہ الہامی کتاب نہیں۔ تیسری بات یہ کہ اوسمیں ملہم کا نام ہونا ضروری

ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ تیسری بات جو بیان کیگئی ہے ایسے مذہب حق کیلئے جو ابتدائی دنیا میں ظاہر ہُوا ہو۔ تبلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تواریخ کا کام ہے نہ کہ الہام کا۔

رگ وید منڈل ۱۰۔ سوکت ۸۵ منتر ۴۶۔ ان بہن بیٹی کے متعلق لکھا ہے کہ شادی نہیں کرنی چاہیئے اسمیں ایک مثل ہے جس سے وہ بات اور بھی صاف ہوگئی ہے جو صاحب دیکھنا چاہیں دیکھ لیں۔

رگ وید۔ اشٹک ۳۔ ادھیائے ۲۔ ورگ ۵۔ اتھرو وید کانڈ ۱ سوکت ۱۴ منتر ۱

اسمیں دائے بھاگ کے متعلق بتایا گیا ہے۔ کہ بیٹے کو دینا چاہیئے۔ بیٹے کے نہونے پر بیٹی کو دینا چاہیئے۔ نرکت میں دیا کھیا کی گئی ہے۔ کیونکہ لڑکی کے پتر کو نانا گود لے سکتا ہے۔ دوہتا۔ دورے ہتا۔ درہتا۔ دوگ دھیر وا۔ اسی نرکت میں بتایا گیا ہے۔ کہ لڑکی کی شادی دُور ہی ہونی چاہیئے۔ اپنے کنبے سے بھی دُور ہو۔ اپنے گوتر میں نہ ہونی چاہیئے۔ ہر طرح کی دُوری ہو۔ نرکت میں مفصل دیکھو۔ پوتر آتما کے سمبدھ میں سوامی جی مہاراج نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ کہ ان کے دلوں میں اس مذہب حق کا اظہار ہوا جسکو ہم ویدک دھرم کہتے ہیں۔ اور وہ پوتر آتما نش کپٹ چھل سے رہت خود غرضی سے پاک لوبھ موہ سے بری کام کرودھ لوبھ موہ وغیرہ تمام نقصوں سے بری سب کا بھلا چاہنے والے

کام ۔ ناجائز خواہشات

کرودھ ۔ بے ہودہ غصہ ۔

لوبھ ۔ لالچ ۔

موہ ۔ بیجا محبت

ایسا نہو جسکے اندر ایسے نقص ہوں۔ رشی منیوں کے متعلق آپکو معلوم ہوگا

اسطرح کے نقص نہیں جو ملہم کو اوسکی حیثیت سے گرا دیتے ہیں۔ جیسے حائضہ عورت سے سنبھوگ (مباشرت) یا تراکے سمے میں اپنی جتنی عورتیں ہوں (یعنی موقعہ جج پر) بجائے اس کے کہ پرماتما میں خیال لگایا جائے۔ ان سب سے سنبھوگ کیا جائے۔ ایسے نقصوں سے رشی منی قطعی مبرا تھے۔ تپسوی تھے۔ برہمچاری تھے۔ صادق تھے انہوں نے اپنی عمر میں ویدوں کا پرچار کیا۔ جو مذہب حق ہو وہ زمانی اور مکانی قید سے مبرا ہونا چاہیئے۔ کوئی اوسمیں ایسی تعلیم نہو جو ایک خاص قوم کے لئے خاص طور پر حکم دیتا ہو۔ اور دوسرے کو اور طور پر ٭

پرچہ نمبر (۱)

از مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وکیل اسلام

صاحبان! مہاشہ جی کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مذہب حق کی کتاب شروع دنیا سے ہونی چاہیئے۔ نیز اسمیں جملہ احکام ضروریہ جنکی انسان کو ضرورت ہو درج ہوں باقی تعریف میں آپکا یہ کہنا کہ وہ زمان اور زمانیات سے مبرا ہو وغیرہ منفیات کا ذکر کرنا اہل منطق کی توجہ چاہتا ہے۔ کبھی کسی ودوان عالم نے کسی مفہوم وجودی کی تعریف مفہوم عدمی سے نہیں کی۔ یہ آج آریہ سماج میں سنا ہے لیجئے۔ اس تعریف کے مطابق آپکے ویدوں کا حال سناتا ہوں۔ وید شروع دنیا سے نہیں ہیں۔ اس لئے آپکی تعریف کے مطابق خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ بہت سے منتر اس مضمون کے ملتے ہیں۔ کہ وید ایسے وقت میں بنا ہے۔ جبکہ دنیا میں آبادی اسقدر ہو چکی تھی۔ راجہ پرجہ آباد تھے۔ کہ ایک راجہ دوسرے پر چڑھائی کرتا تھا۔ اپنی فوج کے افسروں کو یہ حکم لکھتا تھا۔ یا دیتا تھا کہ تم نے

پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے ۔ تم نے جو اس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے ۔ تم روئیں تن فولاد بازو ہو ۔ اتھروید منڈ رہبھو مکا صت ۱۴۳ ۔

مذہبی پیشوا اوپدیش وعظ کرتے ہوئے حاضرین کو پہلے بزرگوں کی مثال دیا کرتے تھے ۔ یہ کہا کرتے تھے ۔ کہ تمہارے بزرگ پہلے بڑے علم و فضل والے گذر چکے ہیں اونکی چال چلو ۔ احکام کی ضرورت مہاشہ جی نے تسلیم کر لی ہے ۔ مگر رگوید کا حوالہ شادی کے متعلق جو دیا ہے اوسکا نہ منتر پڑھا ہے ۔ نہ ترجمہ سنایا ۔ اسیطرح ترکہ کے متعلق بھی منتر کے اصلی الفاظ پڑھیں پڑھکر ٹھیک ترجمہ کریں ۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ مذہب حق کی کتاب میں غیر خدا کی پوجا کرنا جائز ہو سکتا ہے ۔ ویدوں کے منتر دو ایک سناتا ہوں ۔ سام وید میں لکھا ہے ۔ میں اپنی اس اطاعت اور عاجزی سے بلاتا ہوں ۔ تمہارے لئے اگنی کو بلاتا ہوں ۔ اے اگنی تو لکڑیوں میں رہتا ہے ۔ لکڑیاں تیری ماں ہیں ۔ اے اگنی میں تیرا سچا بندہ بہت سی نذروں کے ساتھ میں اگنی کی جو ایندھن سے شعلہ زن روشن پاک مستعد چڑھاوے کے روبرو جلوہ افروز ہے اپنے گیت میں مدح سرائی کرتا ہوں ۔ اگنی اور اندر کی پوجا سے بھرے ہوئے سام وید میں باب کے باب موجود ہیں ۔[1]

اب میں منطقی طور پر سمجھانا چاہتا ہوں ۔ انکی تعریف کے مطابق ویدوں کا نزول محال ۔ الہام پہلے ہے یا زبان یہ بڑی مشکل آپکو پیش آئی ہے ۔ آپ کے خیال میں الہام پہلے ہے زبان پیچھے ۔ جس رشی کو بغیر سمجھے زبان کے الہام ہوگا ۔ تو وہ الہام اس مثل کے مطابق ہے یا نہیں ۔

زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم ۔ رشی کو الہام ہوتا ہے مگر وہ اوس زبان کو نہیں جانتا ۔ کون سکھائیگا کون بتائے ۔ کوئی اوستاد نہیں ہے ۔ جو خدا اوسکے دل میں اوس کے معانی ڈالیگا وہ پہلے زبان ہی کیوں نہ سکھا دیوے ۔ دوسری طرح سے یہ ہے کہ آریہ سماج کے اصول کے مطابق ویدوں کا ملنا پچھلے عمال کا بدلہ ہے ۔ لیکن جس صورت میں دنیا اپنی ترکیب کی وجہ سے حادث ہے ۔

[1] سلہ باب فصل ا ۔ باب فصل ا ۔ باب فصل ا ۔

حادثات کا سلسلہ قدیم نہیں ہو سکتا۔ اور حادثات سے کوئی فرد قدیم نہیں ہو سکتا۔ وید کیسے لے بیٹھے۔ یہ ایک باریک مسئلہ ہے۔ جس کے سمجھنے کے لئے میرا رسالہ حدوث دنیا ملاحظہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ملہموں کا حال وید ہونا تاریخی حال ہے بگر حوالہ دیتے ہوئے سوامی دیانندجی کا کلام نقل کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے۔ جس حالت میں ویدوں کے لانے والوں کا نام نہیں ہے۔ تو آریہ کے پاس کیا ثبوت ہے۔ سماج کو کیا حق ہے جو ہندوؤں کا خلاف کرتے ہیں۔ جن رشیوں کو ہندو سوسائٹی باوجود کروڑوں کی تعداد ہونے کے ویدوں کا ملہم مانتی ہے۔ برہماجی کو آریہ کیوں نہیں مانتے یہی وجہ ہے کہ دونوں قوموں کا جو ویدوں کے حامی ہیں۔ رشیوں کے حق میں اختلاف پیدا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھکر اختلاف اہل علم کی توجہ کے قابل یہ ہے کہ ہندوؤں کے بعد آریہ سماج ویدوں کے نصف حصہ کو الہامی مانتی ہے۔ اور ہندو آریوں کی نسبت آدھے سے زیادہ مانتے ہیں۔ ویدوں میں رشیوں کا نام نہیں ہے۔ کلام محدود نہیں ہے۔ تو یہ جھگڑا ہونا ضروری ہے آپکا فرض ہے کہ جس سوال کیطرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ اوسکا جواب کھلے لفظوں میں دیں۔ باقی آئندہ

پرچہ نمبر (۲)

۲۱-مارچ ۱۹۲۹ء

منجانب آریہ سماج از پنڈت رامچندر جی دہلوی

صاحبان! مولوی صاحب نے جو یہ فرمایا کہ کسی عالم نے بھی مفہوم وجودی کی تعریف مفہوم عدمی سے نہیں کی ہے۔ یہ اونکی ناواقفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ آریہ سماج کے سوامی دیانند سرستی جی مہاراج نے ابھاد پرمان کو

ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وید ابتدائے دنیا سے نہیں ہے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ وید اس وقت نازل ہؤا۔ جبکہ دنیا کے اندر ایک راجہ دوسرے راجہ پر چڑھائی کرتا تھا۔ اسکو آپ نے غلط سمجھا۔ وید نے کسی خاص راجہ کا کسی خاص راجہ پر چڑھائی کرنا بیان نہیں کیا۔ بلکہ وہ اصول بیان کئے ہیں۔ جنکی بنا پر سپہ سالار ہر مقام پر ہمیشہ اپنی فوج کو دلیر اور مضبوط بنانے کے لئے اپدیش دے سکتا ہے۔ جنہوں نے پہلی جنگوں میں فتح کی ہو۔ اون کو دیکھکر کہ جیسے ہم سے پہلے میدانوں میں فتح پائی۔ اسی طور پر اب بھی جاکر فتح پاؤ۔ اور جنہوں نے سب سے پہلے اپنے کو فوج میں داخل کیا ہو۔ اون کو اون کے بزرگوں کے حال سنا کر ہمت دلانا۔ ویدوں میں بیان کیا گیا ہے۔ نہ کہ کسی خاص راجہ کا ذکر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ قرآن میں ایک جگہ ایسا لکھا ہے۔ کہ اے لوگو تم اوس خدا کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو اور اون لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے ہیں پیدا کیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب قرآن نازل ہؤا تھا۔ اوسوقت کے لوگ اور اوس سے پہلے ہی کے مراد تھے۔ اور اس کے بعد کے نہیں۔ اگر بعد کے بھی شمار جاتے ہیں۔ تو اوس اصول کے مطابق وید مقدس میں یہ اصول ہو سکتا ہے یہ وہ آیت ہے۔ اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

آپ فرماتے ہیں کہ رشتہ کے متعلق اور رائے بھاگ کے بارہ میں نہ منتر پڑھا نہ ترجمہ۔ کل آپ نے اسطرح نہ آیت پڑھی نہ ترجمہ کیا۔ صرف اشارے بتا دے۔ ہم نے بھی اسی طرح کتابوں کا حوالہ دیکر کہدیا ہے کہ وہاں دیکھ لیں اگنی کے متعلق جو منتر پیش کیا ہے۔ اسمیں صرف اس بات کا اظہار ہے کہ لکڑیاں جس سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ وہ اگنی کی ماں ہے پوجا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مدح سرائی لکھا ہے۔ یہ لفظ ایسا ہے جو ہر چیز کے متعلق استعمال ہو سکتا ہے ہمارے ہاں پوجا کا لفظ اپا سنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اندر اور متر کی پوجا ویدوں میں کبھی نہیں ہے۔ ورنہ دکھائے۔ مجھے الزام دیتے ہیں

کہ زبان پیچھے ہونی چاہیئے۔ حالانکہ میں نے اپنی تقریر میں یہ نہیں کہا ئیں نے مثال دی ہے۔ جیسے بچہ ماں باپ سے زبان اور معنی ساتھ ساتھ سیکھتا ہے۔اسی طرح یہ خدا سے زبان اور معنی ساتھ ساتھ حاصل کئے۔آپ کہتے ہیں کہ بلا زبان الہام کیسے ہو۔آدم کے متعلق بیان کیجئے کہ اونکی کیا زبان تھی۔ جسمیں خدانے اون کو الہام دیا اور وہ زبان اونہوں نے خود بنائی تھی۔ یا خدا نے سکھائی تھی؟ ؎

آپ فرماتے ہیں جو معنی ڈالے وہ پہلے زبان ہی سکھاوے۔ ایسا دستور نہیں ہے۔ کہ زبان معنی سے الگ ہو۔ جتنی زبان جانیگا اتنے معنی ضرور جانیگا اسے آپ نے اصول بیان کیا ہے کہ حادث کا کوئی فرد قدیم نہیں ہو سکتا ئیں سولہ آنہ مانتا ہوں۔ اور آریہ سماج یہ نہیں کہتا۔ کہ دنیا سروپ سے قدیم ہے لیکن (سروپ کے معنی ذات ہے) اجاؤ نغی آخر دنیا اور قیامت ان دونوں کا یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدیم ہے۔ جسکو سرشٹی اور پرلے کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ ملہم کے متعلق جو بات ئیں نے بیان کی تھی۔ اوسے مولوی صاحب چھوڑ گئے۔ رشیوں کے متعلق جو بیان تھا۔ اوسمیں سوا اس بات کے اور کوئی نقص نہیں نکال سکے۔ کہ سناتن دہرمی جسطرح برہماجی کو ملہم مانتے ہیں۔ اوس پرکار سے آریہ سماجی کیوں نہیں مانتے۔ جتنا آریہ وید مانتے ہیں۔ اوس سے دگنا سناتنی مانتے ہیں۔ پہلے تو ہندؤں کو بیچ میں لانا ضروری نہیں۔ دوسرے برہماجی کے متعلق یہ بات ہے۔ کہ سناتنی اونہیں چار منہ والا مانتے ہیں ہم چار رشی علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے۔ فرق کچھ نہیں۔ چاروں کو ملا کر برہما کہہ سکتے ہیں۔ جسطرح برجاتی واچک نام (اسم عام) ایک وچن میں (صیغہ واحد میں ہوتا ہوا) تمام افراد میں صادق آتا ہے۔ جیسے گھوڑا ہاؤرس ایک سالہ کا حال بجز نوٹس بھی دیئے جاتے ہیں۔ ہندو جو دگنا الہام مانتے ہیں۔ وہ صرف اصطلاح کا ہیر پھیر ہے۔ باقی کچھ نہیں۔

؎ قرآن تو صاف کہتا ہے۔ خدا نے سکھائی تھی۔ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا +

کہ زبان پیچھے ہونی چاہیئے۔ حالانکہ میں نے اپنی تقریر میں یہ نہیں کہا۔ میں نے مثال دی ہے۔ جیسے بچہ ماں باپ سے زبان اور معنی ساتھ ساتھ سیکھتا ہے۔ اسی طرح یہ خدا سے زبان اور معنی ساتھ ساتھ حاصل کئے۔ آپ کہتے ہیں کہ بلا زبان الہام کیسے ہو۔ آدم کے متعلق بیان کیجئے کہ اونکی کیا زبان تھی۔ جسمیں خدا نے اون کو الہام دیا اور وہ زبان اونہوں نے خود بنائی تھی۔ یا خدا نے سکھائی تھی ؟ ۵ل

آپ فرماتے ہیں جو معنی ڈالے وہ پہلے زبان ہی سکھاوے۔ ایسا دستور نہیں ہے۔ کہ زبان معنی سے الگ ہو۔ جتنی زبان جائیگا اتنے معنی ضرور جائیگا اسے آپ نے اصول بیان کیا ہے کہ حادث کا کوئی فرد قدیم نہیں ہو سکتا۔ میں سولہ آنہ مانتا ہوں۔ اور آریہ سماج یہ نہیں کہتا۔ کہ دنیا سروپ سے قدیم ہے لیکن (سروپ کے معنی ذات ہے) اعیان و نفی) آخر دنیا اور قیامت ان دونوں کا یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدیم ہے۔ جبکو کہ سرشٹی اور پرلے کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ ملہم کے متعلق جو بات میں نے بیان کی تھی۔ اوسے مولوی صاحب چھوڑ گئے۔ رشیوں کے متعلق جو بیان تھا۔ اوسمیں سوا اس بات کے اور کوئی نقص نہیں نکال سکے۔ کہ سناتن دہرمی جسطرح برہماجی کو ملہم مانتے ہیں۔ اوس پرکار سے آریہ سماجی کیوں نہیں مانتے۔ جتنا آریہ وید مانتے ہیں۔ اوس سے دگنا سناتنی مانتے ہیں۔ پہلے تو ہندؤں کو بیچ میں لانا ضروری نہیں۔ دوسرے برہماجی کے متعلق یہ بات ہے۔ کہ سناتنی اونہیں چار مُنہ والا مانتے ہیں ہم چار رشی علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے۔ فرق کچھ نہیں۔ چاروں کو ملاکر برہما کہہ سکتے ہیں۔ جسطرح ہر جاتی واچک نام (اسم نوع) ایک وچن میں (صیغہ واحد میں ہوتا ہوا) تمام افراد میں صادق آتا ہے۔ جیسے گھوڑا اور میں آپ سالہ کا حوالہ بجز نوٹس کا بھی دئے جاتا ہیں۔ ہندو جو دگنا الہام مانتے ہیں۔ وہ صرف اصطلاح ہیر پھیر ہے۔ باقی کچھ نہیں۔

۵ل قرآن تو صاف کہتا ہے۔ خدا نے سکھائی تھی۔ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا +

دال میں کالا بتاتا ہے۔ اور استاد غالب کا شعر یاد دلاتا ہے ؎

بیخودی بے سبب نہیں غالب * کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہو

اگنی کی پیدائیش ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اگنی کی عبادت بھی کی ہے "لیجئے" آئے اگنی تو ہون کے کام میں بڑا ہنر رکھتا ہے۔ بس اے اگنی تو دیوتاؤں کو اوس پرہیزگار وجود کے پاس لا جو خوشی خوشی تیری عبادت کرتا ہے" آپ نے کہا ہے کہ آدم کی زبان کیا تھی۔ قرآن کریم نے علم الآدم الاسماء کہکر جواب دیدیا ہے کہ خدا نے آدم کو سب نام سکھا دیئے۔ ساری زبان سکھادی۔ اوسکے بعد اوسکو الہام دیا کہتے وید ہیں کہ ہندوؤں کا نام بیچ میں کیوں لے آئے ہیں۔ اے جناب ہندو قوم ویدوں کی حامی ہے۔ ویدوں کی تابعدار ہے اس لئے اونکی شہادت گویا گھر کی شہادت ہے۔ مفہوم عدمی سے وجودی کی تعریف کرنا ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے آدمی وہ ہوتا ہے جو گھوڑا ہاتھی نہ ہو۔ اور گھوڑا ہاتھی وہ ہوتا ہے۔ جو گائے بھینس نہ ہو۔ اس لئے میں نے کہا ہے کہ مفہوم وجودی کی تعریف عدمی سے نہ کرنا چاہیے۔ ارسطو و جالینوس بھی کرے تو غلط ہے۔ آپ نے پہلی تقریر میں ہمارے نبی کی معاشرت پر اشارہ کیا ہے کہ حج میں عورتوں سے جماع کیا یہ بلا ثبوت ہے غلط ہے۔ بہتان ہے۔ مباشرت کرنا حج میں غلط ہے۔ بہتان ہے۔ کسی عورت کا حق چھین لیا غلط ہے بہتان ہے افترا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپکی تعریف یہ تھی کہ سچی کتاب وہ ہے جو شروع دنیا سے ہو۔ اور اسمیں سب ضروریات تعلیم ہو۔ اس تعریف پر میں نے بتا دیا کہ وید الہامی کتاب نہیں ہو سکتے۔ اب میں پنچوں کو مخاطب کرکے یہ شعر سناتا ہوں ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھکر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھکر

پرچہ نمبر (۳)

منجانب آریہ سماج

حیض کے متعلق آپ نے فرمایا کہ سراسر بہتان ہے۔

عائشہ سے روایت ہے۔ ہم میں سے جب کسی عورت کو حیض آتا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم کرتے تہ بند باندھنے کا۔ جب حیض کا خون جوش پر ہوتا۔ پھر اوس سے مباشرت کرتے۔ (صحیح مسلم صہ ۱۴۷)

صبح از ظہر غرض پانچ نمازیں اداکیں اور سب بیبیاں آپ کے ساتھ تھیں۔ اوس رات آپ نے سب سے مباشرت کی۔ صہ ۱۱۵۹ فائدہ ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں قرآن کی آیت کے متعلق کہ وہ صحیح ہے۔ اور میرا سوال صیغہ ماضی پر ہے۔ آیت میں لفظ ماضی کا پڑا ہوا ہے۔ میں پوچھتا ہوں جب قرآن نازل ہوا تھا۔ تو اوس وقت کے اور اس سے پہلے کے مراد ہونگے۔ بعد کے بھی مراد ہونگے۔ تو وید کا اصول سچا ہے۔

پرچہ نمبر (۳)

منجانب اہل اسلام

صاحبان! بابو صاحب کو عربی کا لفظ نہ جاننے سے غلطی لگی ہے عربی میں یا تشر کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں بدن سے بدن لگانا۔ چنانچہ جس باب سے آپ نے

یہ حدیث دکھائی ہے۔ اس باب کے پورے لفظ یوں ہیں۔ مباشرۃ الحائض فوق الازار حیض والی عورت کو تہبند کے اوپر سے ملنا۔ قرآن مجید صاف لفظوں میں حیض والی عورت سے جماع کرنے سے صاف منع کرتا ہے۔ اور فاعتزلوا النساء فی المحیض۔ اس حدیث میں بھی ایک لفظ صاف موجود ہے۔ جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھایا ہے۔ کہ آنحضرت حیض کی حالت میں اپنی بیوی کیساتھ جماع نہیں کرتے تھے۔ وہ لفظ یہ ہے ایکم یملک اربہ[ل] دوسری روایت جو آپ نے حج کے متعلق پڑھی ہے۔ وہ مصنف نے فائدہ میں لکھی ہے۔ باوجود اس کے حالت حج سے پہلے کا واقعہ ہے جیسے کوئی شخص سحری کھانے سے پہلے اپنی عورت سے ملاپ کرے۔ پھر غسل کر کے سحری کھاکر روزہ پورا کرے۔ ایسے شخص پر مہاشہ جی یہ اعتراض کرینگے؟ کہ اس نے روزہ میں صحبت کرلی۔ جیسا یہ بہتان ہے۔ ایسا ہی وہ بھی بہتان ہے گھنٹی بجگئی ہے، ورنہ اور بھی کچھ کہتا۔

ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

مناظر اسلام



ل تم میں سے کون ہے جو اپنی طاقت پر آنحضرت کیطرح قابو رکھتا ہو۔

فیصلہ پنچان

فریقین میں مسلم ہو چکا تھا کہ مباحثہ تحریری ہو کر فیصلہ پنچوں سے کرایا جائیگا۔ چنانچہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب مناظر از جانب اہل اسلام نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ پنچ مقرر کئے جاویں آریہ سماج کی طرف سے پہلے تو آئیں بائیں ہوتا رہا۔ آخر کار یہ کہا کہ اچھا اپنے اپنے پنچ کرلو۔ جواباً کہا گیا۔ بوقتِ اختلاف اون کا سرپنچ ہونا چاہیئے۔ آریہ سماج کی طرف سے اس بارے میں جواب دینے کے لئے پنڈت مراری لال جی تھے۔ یہ بات خاص قابل ذکر اور قابل یاد ہے کہ آریہ سماج چونکہ ایک کارکن اور تعلیم یافتہ جماعت ہے اسلئے اوس نے ہر ایک کام کی خاص آدمی رکھے ہوئے ہیں۔ جہاں بکیا اور بے معنی جھگڑا بڑہانا اور وقت ضائع کرکے فریق ثانی کو تنگ کرنا اون کو مقصود ہوتا ہے۔ وہاں ہمارے معزز

دوست پنڈت مراری لال جی اس مشکل میں اُنکے کام آتے ہیں
اسلئے پنڈت جی نے اپنی ڈیوٹی بڑی معقولیت سے نباہی۔
نظارہ قابل دیدتھا کہ پنڈت جی عرصہ تک اِدھرادھر کی کہے جائیں
جس سارے کا مطلب یہہ ہوتا تھا کہ پنچ الگ الگ ہوں مولینا
مناظر اسلام جب کھڑے ہوں تو پنڈت جی پریشان ہوکر کہنی لگجائیں
یہ دیکھو پھر کھڑے ہوئے مولانا اتنا فرماتے کہ درھورا اختلاف
پنچان کے پنچ کون ہوگا؟ جولب ملے اختلاف نہیں ہوگا۔ جواب
دیا جائے اختلاف نہوگا۔ بہت خوب لیکن اگر ہوا تو ایک عیسائی
ممبران پنچوں میں بطور سرپنچ کے رہنا چاہئیے۔ جو ہمارا اور تمہارا
دونوں کا غیر ہے۔ مگر پنڈت جی ڈیوٹی کے پکّے تھے وہ کہاں
مانیں آخر کار یہ ہوا کہ فریقین کے پانچ پانچ پنچ (منصف) مقرر
ہوئے مگر نتیجہ وُہی ہوا جو مولانا کو گمان تھا یعنی اختلاف رائے
بہر حال دونوں فریق کے پنچوں کا فیصلہ پیش ہے ناظرین
بغور پڑھکر خود سرپنچ بنجائیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

نحمدہٗ تعالیٰ ونصلّی علیٰ رسُولہ الکریم

فیصلہ منتخبانِ اہلِ اسلام

مناظرہ آریہ سماج جو بیس مارچ ۱۹۱۸ء کو اہل اسلام سے خورجہ میں ہُوا ہے اسمیں مناظر اہل اسلام (مولانا ثناء اللہ صاحب) نے مذہب حق کا معیار اور تعریف جو بیان کی تھی اوسمیں جسقدر امور بیان کئے گئے تھے۔ اون سبھی کو وکیل آریہ سماج نے تسلیم کر لیا تھا۔ کیونکہ کسی امر پر جرح و قدح نہیں کی تھی۔ فقط تعریف کے مانع اور جامع ہونے کا شبہ پیش کیا تھا۔ جس کا جواب وکیل اسلام نے نہایت مستحکم بیان کر دیا۔ اب مناظرہ ۲۱ مارچ ۱۹۱۸ء میں وکیل آریہ سماج کو یہ چاہئے تھا کہ اون امور کو وید میں ثابت کر کے دکھاتے مگر اسکو اونہوں نے ثابت نہیں کیا۔ جو ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ جسکا تدارک ناممکن ہے۔ بلکہ بعض امور کا الہامی کتاب میں نہ ہونا ضروری بتلایا گیا ہے۔ اگر یہ بات واقعی ہے۔ تو کل کے مناظر نے اوس نمبر پر ردّ و قدح کیوں نہیں کی۔ اس صورت میں دونوں مناظروں میں سے ایک کی غلطی ضرور ثابت ہوتی ہے۔

(۱) مناظر آریہ سماج ابتداء کلام اس سے کرتے ہیں۔ کہ انسانی خواص اور برکتی یہ کسی ایسی بات کا محتاج ہے کہ جو تمام علوم کا واقف ہو۔ اس عالم کو ہم خدا کہتے ہیں۔ یہ بات وکیل سماج کی نہایت غلطی اور پریشانی پر دلالت کرتی ہے۔ ایک مذہب کا عالم اور عالم ہی نہیں بلکہ مناظر الٰہی بے جا اور غلط بات کہے۔ جس سے تمام مذہب کی بنیاد ہی اوکھڑ جائے تو اس سے زیادہ غلطی اور

پریشانی اور کیا ہوسکتی ہے۔

بابو رام چندر صاحب نے کہا انسان کسی ایسی بات کا محتاج ہے جو تمام علوم کا واقف ہو۔ ایسی بات کو جو تمام علوم کا واقف ہو اوسے خدا کہا جاتا ہے۔ اس ترقی وتمدن کے زمانہ میں خدا (معاذاللہ) ایک بات ہو گیا۔ اس کے سوا مضمون بھی غلط ہے۔ کہ انسان کو ایک ایسی ذات کی احتیاج ہے۔ جو عالم کل ہو۔ اور اسی عالم کل کو خدا کہا جاتا ہے۔ مقام غور ہے کہ اس تعریف کے مطابق اگر ایک ہستی اور ایک وجود ایسا فرض کیا جائے جو تمام علوم کا واقف ہو۔ اور اسمیں قدرت ارادہ اختیار مالکیت ربوبیت علاوہ علم کے کوئی بھی صفت کمال نہ ہو۔ تو وکیل سماج ایسی ہستی کو جو محض ایک ہی حصہ کمال سے متصف ہے۔ خدا کہنے کو تیار ہے حالانکہ ایسے وجود اور ہستی کو کوئی عاقل خدا نہیں کہہ سکتا۔ جس دہرم کا خدا ہی ناقص ہو۔ اُس دہرم کا خدا ہی حافظ ہے۔

علاوہ ازیں دعوی یہ ہے کہ انسانی خواص اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسی ہستی کے محتاج ہیں جو عالم کل ہو۔ اس دعوی کی کوئی بھی دلیل بیان نہیں فرمائی گئی۔ چونکہ یہ بات ایک بہت ہی بے محل اور موضوع سے علیحدہ ہے غالباً اسی وجہ سے مناظر اسلام نے اس پر توجہ نہیں کی۔

(۲) دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ مذہب حق اوسکو کہتے ہیں جسمیں (۲)
ایسے احکامات درج ہوں۔ جس سے تمام ضروریات پوری ہوسکیں۔ لیکن یہ بھی ساتھ ہی معلوم ہونا چاہیئے کہ اوسکا رہنا او سوقت سے ضروری ہے جب سے انسان دنیا میں پیدا ہوا۔ اگر کچھ زمانہ تک رہکر اور پھر اسیطرح کی بات کا اظہار ہو۔ اوسکا ہونا بھی خدا کی طرف سے ماننے کے قابل نہیں۔ اور جو مذہب حق ہو۔ وہ زمانی اور مکانی قید سے مبرا ہونا چاہیئے کوئی اسمیں ایسی تعلیم نہ ہو جو کسی ایک خاص قوم کے لئے خاص طور پر حکم دیتا ہو۔ اور دوسری کو اور طور پر

اس پر پہلا شبہ یہ ہے کہ مناظر آریہ سماج نے یہ دعوی بلا دلیل کیا ہے۔ کیسی

دلیل عقلی یا نقلی سے یہ ثابت نہیں کیا۔ کہ انسان جب سے دنیا میں پیدا ہوا ہے۔
جبھی سے اوسکو احکام کی پابندی لازم ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جیسے لڑکپن
سے بلوغ کے زمانہ تک کسی مذہب میں بھی لڑکا پابند احکام مذہب بطریق لزوم
نہیں۔ اسیطرح سے ابتداء عالم میں بھی خداوند عالم نے انسانوں کو غیر مکلف
بنایا ہو۔ یا مکلف بھی ہوں تو اونکا علم فطری اور طبعی ہو۔ جسطرح سے بچے بڑے ہو کر
اور بولنے لگتے ہیں۔ اپنی ضروری تلاش کرتے ہیں۔ اگر ایک زمانہ تک ابتدائے آفرینش
میں بھی انسان کا ایسا ہی حال ہوا ہو۔ تو اس صورت پر کیا ضروری ہے کہ مکمل
کتاب جو ہمیشہ کے لئے ہر قوم کی جملہ ضروریات پر مشتمل ہو۔ ابتداء عالم میں ہی
ظاہر کی جائے۔ اس دعوی میں یہہ ایسی کمزوری ہے جسکا رفع ہونا ناممکن ہے۔

مناظر اسلام اس تعریف پر چند اعتراض کرتا ہے۔

(الف) یہ کہنا کہ وہ زمان و زمانیات سے مبرا ہو۔ منفیات کا ذکر کرنا ہے مفہوم
وجودی کی تعریف مفہوم عدمی سے نہیں کیجاتی۔ مطلب یہ ہے کہ تعریف یا
ذاتیات سے ہوتی ہے یا عرضیات مختصہ سے اور منفیات تو بے شمار ہیں
اس واسطے کہ انسان کے سوا جتنی چیزیں ہیں سبھی کا غیر ہے۔ تو
اب اگر انسان کی تعریف میں یہ کہا جائے کہ گھوڑا ہاتھی۔ بیل۔ اینٹ۔ پتھر
زمین آسمان نہ ہو تو تمام عمر ختم ہو جائیگی۔ اور تعریف ختم نہوگی۔ لہذا وکیل سماج
کو تعریف میں منفیات کا ذکر کرنا نہ چاہیئے تھا۔ اسکا جواب وکیل سماج یہ فرماتے
(ص) دیتے ہیں۔ کہ وجودی کی تعریف عدمی سے کوئی بھی کرے قابل تسلیم نہیں
اور اسکو مثال سے واضح کردیا ہے۔ کہ وجودی کی تعریف مفہوم عدمی سے کرنا
ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے آدمی وہ ہوتا ہے کہ گھوڑا ہاتھی نہ ہو۔ اور گھوڑا وہ
ہے جو گائے بھینس نہو۔ اوّل تو یہ امور عدمیہ انسان اور گھوڑے کی ذاتیات
اور خواص مختصہ میں نہیں۔ دوسرے یہ بیشمار ہیں۔ کہ عمر ختم ہو جائے اور
ایک کی تعریف بھی ختم نہ ہو۔ سوامی دیانند جی کا مفہوم عدمی سے مفہوم وجودی

کی تعریف کرنا قابل حجت نہیں۔

(ب) اس کے بعد دوسرا اعتراض علی سبیل التسلیم یہ ہے۔ کہ وید کا شروع دنیا سے ہونا وید ہی کی رو سے غلط ثابت ہوتا ہے۔

وید میں ایسے منتر موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وید کا یا اوس منتر کا اوس کے مصنف سے صدور ایسے وقت میں ہوا۔ کہ دنیا خوب آباد ہو چکی تھی۔ سلطنتیں قائم تھیں۔ لڑائی جھگڑے بھی ہو چکے تھے۔ بلکہ اس کے قبل روئے زمین کو فتح کر چکے تھے۔

منتر یہ ہی کہ "تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب روئے زمین کو فتح کیا ہے۔ تم روئیں تن فولاد بازو ہو"

(اتھروید مندرجہ بھومکا صفحہ ۱۴۳)

مذہبی پیشوا اپدیش وعظ کرتے ہوئے پہلے بزرگوں کی مثال دیا کرتے تھے کہ تمہارے بزرگ پہلے بڑے علم و فضل والے گذر چکے ہیں۔ اونکی چال چلو۔ یہ تمام ماضی کے صیغے جبھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ کہ اون سے پہلے تمام واقعات ہو چکے ہوں۔

الفاظ کے معنی حقیقی چھوڑ کر معنی مجازی جب لئے جاتے ہیں۔ کہ معنی حقیقی کے ناممکن ہونے پر کوئی دلیل عقلی قائم ہو جائے۔ ویدک سماج نے کوئی دلیل عقلی ایسی نہیں بیان فرمائی جس سے وید کا ابتداء عالم میں ہونا ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو سکے پھر ان الفاظ صریحہ کے معنی ایچ پیچ سے بتانا اور وہ بھی نہ بن سکیں۔ اسکی کیا ضرورت ہے۔

دلیل آریہ سماج ان منتروں کے معنی میں اپنے خیالات کو دخل دیتے ہیں۔ اون کے ذہن میں چونکہ یہ بات سما گئی ہے۔ کہ وید کا اور الہامی کتاب کا ابتدا دنیا میں ہونا ضروری ہے۔ اسوجہ سے وہ ان منتروں کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں۔

کی تعریف کرنا قابل حجت نہیں۔

(ب) اس کے بعد دوسرا اعتراض علی سبیل التسلیم یہ ہے۔ کہ وید کا شروع دنیا سے ہونا وید ہی کی رو سے غلط ثابت ہوتا ہے۔

وید میں ایسے منتر موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وید کا یا اوس منتر کا اوس کے مصنّف سے صدور ایسے وقت میں ہوا۔ کہ دنیا خوب آباد ہوچکی تھی۔ سلطنتیں قائم تھیں۔ لڑائی جھگڑے بھی ہوچکے تھے۔ بلکہ اس کے قبل رُوئے زمین کو فتح کرچکے تھے۔

منتر یہ ہے کہ "تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب روئے زمین کو فتح کیا ہے۔ تم روئیں تن فولاد بازو ہو"

(اتھروید مندرجہ بھومکا صفحہ ۱۴۳)

مذہبی پیشوا اپدیش وعظ کرتے ہوئے پہلے بزرگوں کی مثال دیا کرتے تھے کہ تمہارے بزرگ پہلے بڑے علم و فضل والے گذر چکے ہیں۔ اونکی چال چلو۔ یہ تمام ماضی کے صیغہ جبھی صحیح ہوسکتے ہیں۔ کہ اون سے پہلے تمام واقعات ہوچکے ہوں۔

الفاظ کے معنی حقیقی چھوڑ کر معنی مجازی جب لئے جاتے ہیں۔ کہ معنی حقیقی کے ناممکن ہونے پر کوئی دلیل عقلی قائم ہوجائے۔ ویدک سماج نے کوئی دلیل عقلی ایسی نہیں بیان فرمائی جس سے وید کا ابتداءِ عالم میں ہونا ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہوسکے پھر ان الفاظ صریحہ کے معنی ایچ پیچ سے بتانا اور وہ بھی نہ بن سکیں۔ اسکی کیا ضرورت ہے۔

وکیل آریہ سماج ان منتروں کے معنی میں اپنے خیالات کو دخل دیتے ہیں۔ اون کے ذہن میں چونکہ یہ بات سماگئی ہے۔ کہ وید کا اور الہامی کتاب کا ابتداء دنیا میں ہونا ضروری ہے۔ اسلیے سے وہ ان منتروں کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں۔

ہے۔ اون کے بعد والے بھی مراد ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ مراد ہیں، لیکن پنڈتجی نے نہیں سمجھا کہ میرا سوال صیغہ ماضی پر ہے۔ جو مَیں نے ترجمہ میں عرض کیا ہے۔

قابل یہہ ہے کہ مناظر اسلام نے کسقدر پختہ اور مضبوط بات بیان فرمائی ہے کہ جسکا جواب ہونا محال ہے۔

مناظر اسلام کہتے ہیں کہ وید منتروں میں ماضی کا صیغہ موجود ہے "تمہارے بزرگ تمام علوم سے ماہر گذر چکے ہیں۔ جیسے وہ میری اطاعت کرتے تھے۔ ایسے ہی تم بھی کرو"

یہہ مضمون صاف اور کھلا ہوا ہے کہ جن لوگوں سے خطاب ہے اون سے پہلے اون کے بزرگ زمانہ سابق میں گذر چکے اور خدا کی اطاعت کر چکے۔

وکیل سماج یہ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ کلام خدا نے فرمایا تھا۔ اسکا نہ کوئی مخاطب تھا۔ نہ اس کلام سے پہلے بزرگ تمام علوم کے ماہر گذر چکے تھے۔ نہ کسی نے خدا کی اطاعت کی ہوتی۔ جن لوگوں سے خطاب کیا تھا۔ وہ لوگ بھی اس کلام کا مطلب یہی سمجھتے تھے کہ یہ ایک مہمل اور فرضی اور غلط اور بے معنی کلام ہے کیونکہ ابتدائے دنیا میں ہم ہیں نہ ہم سے پہلے کوئی چھوٹا گذرا نہ بڑا۔ عالم گذرا نہ جاہل نہ کوئی خدا کا فرمانبردار گذرا نہ نافرمان۔ پھر ہم سے وید یہہ کہتا ہے "تم اپنے گذشتہ بزرگوں کی طرح سے جنہوں نے علم نہیں علوم اور علوم ہی نہیں تمام کمالات حاصل کئے تھے۔ اون جیسی میری اطاعت کرو۔ تو بغیر اسکے کہ یہہ کہا جائے کہ اس کلام میں ابھی تک معنی نہیں ڈالے گئے اور مصنف وید ابھی کلام کرنا سیکھتا ہے غلط اور صحیح موقعہ اور بے موقعہ نہیں جانتا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

غضب یہ ہے کہ وکیل سماج اس غلط بات کی سند میں قرآن شریف کی آیت کو پیش فرماتے ہیں کہ خدا نے جو ارشاد فرمایا ہے "اے لوگو اپنے اوس رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا" اس سے فقط ماضی اور حال ہی کے لوگ مراد ہیں یا بعد کے بھی؟ جواب دیا جاتا ہے کہ مابعد

کے بھی یعنی جسوقت یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تھی جیسا اوسوقت کے لوگوں کو خدا
کی بندگی کرنے کا حکم ہے۔ اس کے نزول کے بعد قیامت تک جو لوگ ہونگے
اونکو بھی خدا کی بندگی کا حکم ہے۔ کیا اس آیت کیوقت لوگ موجود نہ تھے۔ اون سے
پہلے لوگ گذر نہ چکے تھے۔ یا جسوقت یہ آیت پڑہی جائیگی۔ اوسوقت لوگ موجود
نہ ہونگے۔ اور اون سے پہلے لوگ گذر نہ چکے ہونگے۔ پھر اس آیت اور منتر سے
کیا مناسبت۔ منتر کی تصنیف کے وقت جو لوگ موجود تھے۔ اون سے پہلے
کوئی تھا ہی نہیں جنکو کہا جائے کہ تمہارے بزرگ تمام علوم کے ماہر گذر چکے
ہیں۔ جیسے اونہوں نے میری اطاعت کی تھی تم بھی کرو۔

ویدک سماج کی رائے کے مطابق یہ منتر اوس وقت مہمل اور بے معنی اور
فرضی کلام تھا۔ بخلاف آیت شریفہ کے جسوقت وہ نازل ہوئی تھی اوسوقت
جو لوگ مخاطب تھے۔ اون سے پہلے بھی لوگ گذر چکے تھے اور جسوقت بھی یہ
آیت پڑھی جائیگی۔ اوسوقت بھی مخاطبوں سے پہلے لوگ گذر چکے ہیں یہاں
تو خلقکم و الذین من قبلکم کے معنی صحیح ہیں۔ بخلاف منتر کے کہ وہاں معنی
تو ماضی حال بھی نہیں بن سکتے۔

لہذا یہ صاف ہوگیا کہ وید اس منتر کی رو سے ابتداء دنیا میں ہرگز کسی طرح
سے نہیں ہوسکتا۔ اور وکیل سماج تقریر بالا کے سوا تیسری تقریر میں اس کا
کچھ جواب نہیں دیتا۔ جسکا نتیجہ صریح یہ ہے کہ وید اپنے ہی قول سے اپنے کو ابتدائے
عالم سے نہیں بتلاتا۔ اوس کے ہوا خواہ اوسکو قدیم اور ازلی ثابت کرتے ہیں۔
یہ وہی صورت ہے کہ مدعی سست گواہ چست۔ جیسے اس منتر کے معنوں میں مناظر
اسلام کو بفضلہ خدا کھلی ہوئی فتح ہوئی۔ اگلا منتر جو جنگی قاعدہ ہے۔ وہاں بھی
جرنیل اسلام کو آگے ہی بڑہنے کا حکم دیکر فتح کا پرچم اوس کے ہاتھ میں دیتا ہے
اوسمیں بھی یہی لفظ ہیں۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے
وکیل سماج کے فرمانے کے مطابق اس منتر کی نسبت بھی یہی کہنا پڑیگا کہ

جب یہ منتر اول مرتبہ بولا گیا تو اوس سے پہلے نہ میدان تھے نہ دشمن نہ اونکی فوج نہ لڑائی نہ ہار نہ جیت بلکہ یہہ کلام بھی ایک مہمل اور بے معنی اور فرضی کلام تھا جسکا نتیجہ سینکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد ظاہر ہوگا۔

وکیل آریہ سماج کو کس عقلی یا قطعی دلیل نے مجبور کیا ہے۔ جسکی بنا پر کلام کو مہمل بنانے کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ نہیں فرماتے کہ ہاں وید ابتدائے دنیا میں نہ تھے۔ غرض اون کے اصول کے مطابق اون منتروں سے وید نہ ابتداء دنیا میں ہو سکتا ہے نہ الہامی کتاب۔

تعجب ہے کہ وکیل سماج یہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص راجہ کی کسی خاص راجہ سے لڑائی کا ذکر نہیں ہے۔ کیا خاص راجہ کے لئے ماضی کا صیغہ لے اوسکے وجود کے استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور عام کیلئے جائز ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ زید میرے گھر آیا تھا۔ تو اوس کے لئے زید کے وجود کی ضرورت ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ میرے گھر کل کوئی انسان آیا تھا تو اس کیلئے کسی انسان کے وجود کی ضرورت نہیں۔ یہہ وہ اصول ہیں کہ انپر کوئی منصف وکیل سماج کو ڈگری نہیں دیسکتا۔

(۳) (۳) پھر وکیل سماج الہامی کتاب کی نسبت فرماتے ہیں۔ جب اوس کا خدا کیطرف سے اظہار ہوگا۔ تو کسی زبان کے ذریعہ سے ہونا چاہئیے۔ جسکو ان پوتر آتماؤں نے جن پر وہ پہلے ظاہر ہوا ہے۔ بچوں کی طرح سے جو اپنے ماں باپ سے زبان سیکھتے ہیں سیکھ لیا ہو۔ اگر وہ زبان خدا کیطرف سے نہ ہوگی اور خدا کسی انسانی زبان کا محتاج ہوگا۔ تو ایک زبردست نقص ذات خدا میں عائد ہوگا۔ کیونکہ سوال ہو سکتا ہے کہ پہلے زبان ہے یا پہلے الہام۔ اگر پہلے الہام ہے تو زبان ساتھ ساتھ ہونی چاہئیے۔

وکیل سماج یہاں دو امر کا دعویٰ کرتا ہے۔

(الف) کہ الہام کسی زبان کے ذریعہ سے ہونا چاہئیے۔ جنکو ملہم بچوں کیطرح سے سیکھ لیں

(ب) وہ زبان کسی انسان کی زبان نہ ہو خدائی زبان ہو۔
مناظر اسلام اس کے متعلق نہایت معقول فلسفیانہ اور منطقی طور پر ایک بڑا قوی اعتراض کرتا ہے۔ جس سے وید کا الہامی اور خدائی کتاب ہونا کیا خود اسکی ہستی اور وجود ہی خطرہ میں آتا ہے۔ اب اس بیمار کا خدا ہی حافظ ہے۔

مناظر اسلام اعتراض کرتا ہے کہ اس تقدیر پر ویدوں کا نزول ہی محال ہے الہام پہلے ہے یا زبان۔ یہ بڑی مشکل آپکو پیش آئی۔ آپکے خیال میں الہام پہلے ہے اور زبان پیچھے۔ جس رشی کو بغیر سمجھے زبان کے الہام ہوگا۔ تو وہ الہام اس مثال کے مطابق ہے یا نہیں ؎ شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم۔
رشی کو الہام ہوتا ہے مگر وہ اس زبان کو نہیں جانتا۔ کون سکھائیگا۔ کون بتائیگا۔ کوئی استاد نہیں ہے جو خدا اوس کے دل میں اوس کے معانی ڈالیگا وہ پہلے زبان ہی کیوں نہ سکھا دیوے۔
مناظر اسلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعویٰ کہ الہام کسی زبان ہی میں ہوگا۔ صحیح نہیں۔ ممکن ہے کہ ذہن میں پہلے معنی ہی آجائیں۔ اور اگر الہام کیلئے زبان کی ضرورت ہے تو بتلاؤ کہ پہلے الہام ہے یا زبان۔ اگر زبان پہلے ہے تو اُسے آپ خود محال فرما چکے ہیں۔ کیونکہ بقول آپکے بغیر الہام کے زبان معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر الہام پہلے ہے تو اسکا حاصل یہ ہے کہ کسی ہندی سے جو پشتو اور ترکی نہ جانتا ہو۔ انگریزی سے آشنا نہ ہو۔ اوس سے ان زبانوں میں کلام کیا جائے تو جیسے یہ کلام غیر مفید ہے ایسے ہی وید کا نزول بھی فضول اور لاحاصل ٹھہریگا۔
وکیل سماج اسکا جواب یہ بیان فرماتے ہیں۔ "میں نے یہ نہیں کہا۔ کہ زبان پیچھے ہی بلکہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ جیسے بچہ ماں باپ سے زبان اور معنے ساتھ ساتھ سیکھتا ہے۔ اسی طریقہ پر خدا سے زبان اور معنی ساتھ ساتھ حاصل کئے۔" آپ کہئے کہ بلا زبان الہام کیسے ہوا۔ آدم کے متعلق بیان کیجئے

کہ اوسکی کیا زبان تہی جسمیں خدا نے اوسکو الہام دیا تھا۔ وہ زبان اونہوں نے بنائی تہی یا خدا نے سکھائی تھی۔ آپ فرماتے ہیں جو معنی ڈالے وہ پہلے زبان بہی سکھاوے۔ ایسا دستور نہیں ہے کہ زبان معنی سے الگ ہو جتنی زبان جانیگا۔ اوتنے ہی معنے جانیگا۔

مناظر آریہ نے وکیل اسلام کا مطلب خیال نہ فرمایا۔ مطلب یہ تھا کہ زبان سے پہلے الہام بھی آپ کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ زبان سے معنی الگ نہیں ہو سکتے۔ اور زبان الہام سے پہلے ہو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ بغیر الہام زبان نہیں آسکتی۔ اور یہ بات کہ الہام اور زبان دونوں ساتھ ہوں۔ یہ عقلاً ناجائز ہے۔ کیونکہ لفظ دال ہو اور معنی مدلول۔ اور پہلے دال ہوتا ہے اور بعد میں مدلول تو اس واسطے یہی کہنا مناسب ہے کہ زبان پہلے ہو اور الہام پیچھے۔ اور جب آریہ سماج اسکو نہیں مانتے تو نزول وید ممتنع اور محال ہوگیا۔

بچہ اور ماں باپ کی مثال جو دی ہے وہ یہ وکیل سماج کے مخالف ہے۔ کیونکہ بچہ کبھی لفظ سمجھتا ہے اور معنی نہیں جانتا اور کبھی معنی سمجھتا ہے اور لفظ اوسکے لئے نہیں پاتا۔ ہر گھر میں بچے موجود ہیں اور رات دن کا تجربہ شاہد۔ تو اس بنا پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی الہامی کے قلب میں القا ہوں اور لفظ نہ ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے زبان تعلیم ہو جائے اوس کے بعد اوسی زبان میں الہام ہو اور جب وکیل سماج اسکو تسلیم فرماتے ہیں کہ ابتدائے عالم میں نزول وید اور تعلیم زبان ساتھ ساتھ ہوئی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آدمی لڑکپن سے جس زبان کو بولتا ہے اور اسمیں نشو نما پاتا ہے۔ تو وہی اوسکی زبان ہوتی ہے۔ تو اس بنا پر الہام کی زبان اور وید کی زبان اون لوگوں کی زبان ہوگی۔ اور اصول ہے آریہ سماج کا کہ الہام کسی کی زبان میں نہ ہونا چاہئیے۔ تو یہہ باطل ہوگیا۔ کیونکہ جن لوگوں پر وید نازل ہوگا۔ اس صورت میں وہی اونکی زبان تھی یہ تو جناب الہام کا انسانی زبان میں بھی ہونا لازم آگیا۔ اور خدا کا طرفدار

ہونا بھی۔

اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں میں یہ بھی ممکن ہے کہ معنی سمجھ میں آتے ہیں اور لفظ نہیں۔ تو یہ بھی ممکن ہوا کہ پہلے الہام کے فقط معنی ہوں اور اس کیلئے الفاظ بعد میں تعلیم کئے جائیں۔ تو یہ کہنا کہ الہام کیلئے کسی زبان کا ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی غلط ہوگیا۔

غرض مناظر سماج نے جتنے احتمال بیان کئے تھے۔ اونکی غلطی ظاہر ہوگئی۔ مناظر سماج نے جو آدم علیہ السلام کی زبان کو دریافت کیا ہے۔ اوسکا جواب مناظر اسلام نے یہ دیا کہ آدم کی زبان کو قرآن نے خود بتلا دیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ یعنی اللہ تعالے نے آدم علیہ السلام کو پہلے زبان کی تعلیم فرمائی پھر بعد میں الہام فرمایا۔

تعجب آتا ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام حیوانات چرند پرند خود بخود فطری طور پر بدوں کسی کی تعلیم کے خود بخود ہی بولنے لگتے ہیں۔ اسیطرح سے ابتدائ عالم میں جب جیسے انسان ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں بغیر ماں باپ کے مولی اور گاجروں کیطرح سے زمین سے پیدا ہوگئے۔ یا آسمان سے مینہ کی طرح برس پڑے۔ تو جب جیسے یہ اونکی پیدائش فطری طریقہ پر تھی کسی کے بناوٹی فعل کو دخل نہ تھا۔ اسیطرح سے اگر اونکی زبان بھی فطری ہو۔ تو اسمیں کیا ہرج ہے۔ اور اسمیں الہام ہو۔ وکیل سماج فرماتے ہیں۔ اگر وہ زبان خدا کی طرف نہ ہوگی۔ تو خدا انسانی زبان کا محتاج ہوجائیگا۔ اور ذات خدا میں ایک زبردست نقصان ہوگا۔ جب انسان میں سارے کمال خدا ہی کے دئے ہوئے ہیں۔ اور منجملہ اون کے زبان بھی ہے۔ چاہے فطری طور پر تعلیم ہو یا بذریعہ الہام اس اول سی نسبت میں تو خدا اس اپنی دی ہوئی زبان میں الہام کرنے سے محتاج اور اپنی ذات میں ناقص ہوجائے۔ مگر روح و مادہ مثل خدا کے معاذاللہ قدیم ہوں۔ خدا نہ ایک روح پیدا کرسکے۔ نہ فنا اوس

عالم بھی قدیم ہو۔ خدا نہ ایک ذرہ کو موجود کرسکے نہ فنا۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں۔ تو نہ خدا خالق تھا نہ مالک تھا نہ قادر تھا نہ ان اوصاف کا اوسمیں ہونا ہی ممکن تھا۔ اتنی بڑی احتیاج خدا کے نقصان کا باعث نہو۔ اور خدا کی دی ہوئی زبان میں اگر الہام ہو جاوے تو نقصان ذاتی کا باعث ہو۔ (تعجب)

حاصل وہی نکلتا ہے جو مناظر اسلام بیان فرماتے ہیں۔ کہ اس تقدیر پر نزول وید بھی محال ہے۔

اسکے بعد مناظر اسلام نزول وید کا محال ہونا اس سے بھی قوی اور زبردست دلیل سے بیان کرتا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے۔ کہ آریہ سماج کے اصول کے مطابق ویدوں کا ملنا پچھلے اعمال کا بدلہ ہے۔ اور اعمال بدوں وید کے نہیں ہوسکتے۔ تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ وید جب نازل ہو۔ جب اوس سے پہلے عمل ہوے اور عمل جب ہو۔ کہ پہلے وید نازل ہولے یہ کھلا ہوا دور ہے جسکو عالم میں کوئی نہیں اوٹھا سکتا۔

لہذا اصول سماج کے مطابق وید کیا دنیا میں کوئی الہامی کتاب نازل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی شخص کے ہاتھ میں ایک کتاب ہو۔ اور وہ یوں کہے کہ اس کتاب کو میرے ہاتھ سے وہ لے جو اسپر پہلے عمل کرے اور عمل وہ کرے کہ جو پہلے اس کتاب کو میرے ہاتھ سے لیکر خود پڑھ لے۔ سمجھ لے یہ وہ صورت ہے۔ کہ دنیا میں اگر کوئی اوس کے امکان کا قائل ہو۔ تو کر کے دکھلا دے۔ اور اگر نہ کرسکے اور ہرگز نہ کرسکیگا۔ اور قطعاً نہ کرسکیگا۔ تو یقیناً سمجھ لے کہ اصول آریہ سماج پر کسی کتاب کا آسمان سے اُترنا بھی محال اور ممتنع ہے۔

وکیل سماج نے اس اعتراض کا بالکل جواب نہیں دیا۔ اور مناظر اسلام نے جو ایک وہم کو دفع کیا ہے۔ اوسی کو اصل قرار دیکر اصل کو چھپا دیا۔ ویدوں کا ملنا پچھلے اعمال کا بدلہ ہے۔ اسمیں مناظر اسلام یہ بھی کہتا ہے۔ کہ جب پہلی

زندگی میں کسی نے ایسے عمل کئے جنکا بدلہ یہ ہو کہ اس زندگی میں اوسکو وید کا ملہم ہونا ضروری ہو اور وید اوس پر ضرور اُترے اور بندہ اپنے فعل کا فاعل مختار ہے خدا کو معاذ اللہ اسمیں کچھ دخل نہیں۔ تو اب یہ بھی ممکن ہی کہ یہ شخص اس زندگی میں پیدا ہوتے ہی بُرے افعال میں مبتلا ہو۔ کہ جسکی نظیر ملنی مشکل ہو مگر چونکہ نزول وید پچھلے اعمال کا بدلہ ہے۔ تو اس بنا پر ایسے شخص پر الہامی کتاب نازل ہوتی جو دنیا کے بدکاروں میں اوّل نمبر پر ہے۔ کہاں وید کے ملہموں کا مقدس ہونا ضروری تھا۔ کہاں وہ صورت بھی نکل آئی کہ اون سے بڑھکر دنیا میں کوئی بُرا ہی نہو۔

اور ظاہر ہے کہ اس شخص کو کوئی ملہم نہیں مان سکتا۔ تو پھر بھی نزول وید کا محال ہوا۔ اور جو کہ بندہ اپنے فعل میں مختار ہی۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ انتہائی دنیا میں کسی کے فعل بھی ایسے نہ ہوں۔ جنپر وید نازل ہو سکے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دس بیس ہزار یا اس سے زیادہ آدمی ہوں۔ ایک صورت میں وید نازل ہی نہیں ہو سکتی۔ اور دوسری صورت میں بجائے چار کے چار ہزار اور چار لاکھ پر بھی بس نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہنا کہ ہر دفعہ چار ہی کو وید کا نزول ہو نہ کم نہ زیادہ۔ اگر خدائی ارادہ کو اس نظام میں کچھ دخل ہے۔ اور ضرور ہونا چاہیئے۔ تو مسلمانوں کا مسئلہ تقدیر ثابت ہوتا ہے۔ جو اصول سماج کے مخالف ہے۔ اور اگر خدا کو بندوں کے افعال میں کوئی دخل نہیں تو نہ الہام وید ضروری رہتا ہے۔ نہ انکی تعداد صحیح رہ سکتی ہے۔

اسکے علاوہ وکیل سماج یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ خدائی الہام و مذہب حق زمانی و مکانی قید سے مبرا ہو۔ اب اوس کیلئے زمانہ بھی معین ہوگیا۔ اور مکان بھی اور زبان بھی اتنی قیدوں میں جکڑ بند ہو کر پھر بھی مبرا اکا مبرا ہی رہتا ہے۔ اس شبہ کا جواب سماج کی جانب سے یہ ہو سکتا تھا کہ وہ یوں فرمائیں کہ ہمارے نزدیک دنیا کی گردش قدیم ہے۔ اس پر لوہیں وید کا ملنا پہلے پرے کے عملوں

کا نتیجہ ہو اور عمل پہلے نزول پر متفرع - علیٰ ہذا القیاس گو اس تقریر سے دور مذکور اوٹھ نہیں سکتا - کیونکہ جو چیز ایک مرتبہ محال ہے - وہ دس بیس مرتبہ اور غیر متناہی مرتبہ کیسے واقع ہو سکتی ہے -

مناظر اسلام لیکن کہکر اس جواب کی جڑ ہی کاٹتا ہے - کہ جس صورت میں دنیا اپنی ترکیب کیوجہ سے حادث ہے حادثات کا سلسلہ قدیم نہیں ہو سکتا جو فرد دنیا کی ابتدا میں سب سے پہلے مرکب ہوا - اونہیں رشیوں کو وید کیسے ملیگا - یہ ایک باریک مسئلہ ہے - جس کے سمجھنے کیلئے میرا رسالہ حدوث دنیا ملاحظہ ہو -

اسکا جواب وکیل سماج یہ بیان فرماتے ہیں - میں نہیں کہتا کہ دنیا اپنی ذات سے قدیم ہے - آپکا اصول کہ دنیا حادث ہے میں سولہ آنہ مانتا ہوں - دنیا اور قیامت ان دونوں کا یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدیم ہے -

وکیل سماج نے مناظر اسلام کا اعتراض تسلیم کرلیا دور کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا -

دنیا باعتبار اپنی ذات کے قدیم ہی نہیں اور دنیا کا حادث ہونا بھی سولہ آنہ منظور ہے - مگر دنیا اور قیامت کا یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدیم ہے مناظر اسلام کا یہ مطلب ہے کہ اصول آریہ سماج پر دنیا کا ایک دفعہ بھی وجود میں آنا محال ہے - چہ جائیکہ غیر متناہی مرتبہ -

دنیا جب پیدا ہو کہ جب پہلے اون کے عمل اس قابل ہولیں کہ اون کو کوئی قالب ہو اور یہ جب ہو کہ پہلے نزول وید ہو - اور نزول وید جب ہو کہ جب پہلے وید پر عمل کرلیں - تو اس صورت دنیا واقع ہی کیسے ہو سکتی ہے - چہ جائیکہ غیر متناہی مرتبہ -

واقعی یہ بات نہایت باریک ہے - اس صورت میں جیسے دنیا کا ایک مرتبہ بھی وجود میں آنا محال ہے - اسی طرح اصول سماج سے اس اعتراض کا اوٹھنا

بھی قطعاً محال ہے۔

اس صورت میں وید کا خدائی کتاب ہونا اوسکا ابتداء دنیا میں ہونا یہ تو بعد کی بات ہے۔ ابتو اس کے وجود ہی کے لالے پڑ گئے۔

نہ وید اس شرط پر خدا کی کتاب ہو سکتی ہے۔ نہ غیر کی۔ نہ ابتداء دنیا میں آسکتی ہے نہ درمیان میں۔ باوجود وقت ملنے کے مناظر سماج نے اس نہایت قوی اور سخت حملہ کا کوئی بھی جواب نہیں دیا۔

(ج) اس کے بعد وکیل سماج یہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی جانب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ جس کتاب میں ترکہ کا ذکر نہیں وہ خدائی کتاب نہیں اور جسمیں رشتہ داروں کے تعلق کہ کس کس سے نکاح جائز ہے اور کس کس سے نہیں ہو وہ خدائی کتاب نہیں۔ اسکا جواب وکیل سماج یہ فرماتے ہیں۔ رگوید منڈل سوکت ۸۵ منتر ۴۴ میں ماں بہن۔ بیٹی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ شادی نہیں کرنی چاہیئے۔ اوسمیں ایک مثال دی ہے۔ جس سے وہ بات اور بھی صاف ہوگی۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں دیکھ لیں۔ ترکہ اور وراثت کے متعلق یہ جواب ہے کہ وائے بھاگ رگوید اسٹک ۳۔ ادھیا ۲۔ ورگ ۵۔ اتھروید کانڈ ۱ شوکت ۱۷، منتر ۱۔ اوسمیں وائے بھاگ کے متعلق بتایا گیا ہے۔ کہ بیٹے کو دینا چاہیئے۔ بیٹے کے نہونے پر بیٹی کو دینا چاہیئے۔ کیونکہ لڑکی کے پتر کو نانا گود لے سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک منتر ہے کہ لڑکی کی شادی دُور ہی ہونی چاہیئے۔ اپنے کٹم سے بھی دُور ہو اپنے گوتر میں بھی نہ ہونی چاہیئے۔ ہر طرح کی دُوری ہونی چاہیئے۔

اس پر مناظر اسلام ایک نہایت مضبوط اور زبردست اعتراض کرتے ہیں۔ کہ احکام کیضرورت مہاشہ جی نے تسلیم کرلی۔ مگر رگوید کا حوالہ سنا دیا۔ نہ اوسکا منتر پڑھا نہ ترجمہ ترکے کے متعلق بھی اصلی الفاظ پڑھیں ٹھیک ترجمہ کریں

اسکا جواب وکیل سماج یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کل آپ نے نہ آیت پڑھی نہ ترجمہ۔ لہٰذا ہم بھی نہ منتر پڑھینگے نہ ترجمہ۔

اس پر مناظر اسلام یہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم سے کسی نے کسی مسئلہ کے متعلق نہ کسی آیت کا تقاضا کیا۔ نہ ہم نے بلا ضرورت آیت اور ترجمہ پڑھا۔ آپ باوجود تقاضا کے نہیں پڑھتے۔ اس ضروری اور سخت ضروری بات کا وکیل سماج نے باوجود وقت ملنے کے کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ حالانکہ یہ وہ بات ہے کہ مناظر اسلام نے اسکو پہلی تعریف میں بھی پیش کیا تھا۔

جسکا جواب بابو شانتی سروپ صاحب نے ہی آج پر حوالہ دیا تھا۔ حیرت پر حیرت اور تعجب پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ باتفاق فریقین یہ امر طے پاچکا کہ مذہب حق کی کتاب میں ضروریات انسانی اور مذہبی کا ہونا ضروری ہے اور ماں بہن۔ بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ مرنے کے بعد مال کے تقسیم ہونے کا طریقہ یہ بھی ضروریات مذہب میں داخل ہے۔ اور تمام امور کے ساتھ مناظر اسلام بار بار تقاضا بھی کرتا ہے۔ کہ اصلی منتر اور ترجمہ پیش کرو مگر پھر بھی باوجود تقاضا شدید کے اور وقت ملنے کے اور تقریریں کیجاتی ہیں دوسرے کی کتاب کی آئتیں پڑہی جاتی ہیں۔ ترجمہ کیا جاتاہے۔ قرآن کی علاوہ حدیث کی موٹی موٹی کتابیں بھی دکھائی جاتی ہیں۔ مگر نہیں ظاہر کیا جاتا۔ تو منتر نہیں پڑھا جاتا۔ تو اوسکا ترجمہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ ماں۔ بہن۔ بیٹی سے بیاہ ناجائز۔ تقسیم ترکہ کی صورتیں یہ ہیں۔

جب یہ امر مسلم ہوچکا کہ جس مذہب اور کتاب میں ضروریات مذہبی کا بیان نہ ہوں۔ وہ مذہب حق نہیں ہوسکتا۔ اور اسی کے لئے یہ مناظرہ قایم کیا گیا۔ کہ مذہب حق کی تعریف اور معیار کیا ہے۔

ہزارہا پبلک نے اپنا قیمتی وقت صرف کیا مگر پھر بھی مناظر سماج اوسی بات کو بیان فرماتے ہیں جس کے لئے مناظرہ قایم کیا گیا ہے۔ اور جو بحث کا موضوع ہے۔ بہات بڑی لانبی چوڑی دجود۔ مگر تلاش کرنے کے بعد حاصل یہ نکلتا ہے۔ کہ نہ دولہا ہے نہ دلہن۔ دنیا بھر کی تقریریں ہوئیں مگر

یہ بات نہ بتلائی گئی کہ وید کا یہ منتر ہی اور اوس کا یہ ترجمہ ہے۔ جس پر بحث کا مدار ہی
مناظر اسلام غیرتیں بھی دلاتا ہے۔ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ آپ کا ٹالدینا دال میں کالا
بتاتا ہے۔ اور اوستاد غالب کا شعر بھی سناتا ہے۔

بیخودی بے سبب نہیں غالب + کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

مگر مناظر سماج ان تمام باتوں کو سنکر شتر بتا انگور نہیں۔ بلکہ بعوق حیار
شنبر خلاف طبع فرد کرتا ہے۔ اور کچھ جواب نہیں دیتا۔ اس کے بعد ہار جیت
کا فیصلہ لکھنا کسی پنچ اور جج کو ضروری نہیں۔ بلکہ ایک امئی آدمی بھی
فیصلہ دے سکتا ہے۔

(۵) اوس کے بعد مناظر سماج بیان فرماتے ہیں۔ یہ بات کہ اوس میں
ملہم کا نام ہونا ضروری ہے۔ ایسے مذہب حق کیلئے جو ابتدائے دنیا میں ظاہر
ہو۔ بتلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تو اریخ کا کام ہے۔ اور نہ الہام کا۔
اس کے متعلق مناظر سلام اسلام یہ فرماتے ہیں۔ کہ ملہموں کا حال درج
ہونا تاریخی حال بتایا جاتا ہے۔ مگر حوالہ دیتے ہوئے سوامی دیانند جی صاحب
کا کلام نقل کرتے ہیں۔ سوال یہ ہی جس حالت میں ویدوں کے لانیوالوں کا
نام نہیں ہے۔ تو آریوں کے پاس کیا ثبوت ہی۔ اون کو کیا حق ہے۔ کہ
ہندؤں کا خلاف کرتے ہیں۔ جن رشیوں کو ہندو مانتے ہیں۔ یعنی برہما
جی کو آریہ کیوں نہیں مانتے۔ باوجودیکہ دونوں وید کے حامی اور
ماننے والے ہیں۔ اور ہندؤں تعداد آریوں سے کروڑوں میں زائد ہی۔
اسکی کیا وجہ ہی کہ چند آدمیوں کا قول مانا جائے اور اس جماعت
کثیرہ کو غلطی پر کہا جائے۔ لہذا الہامی کتاب میں ملہم کا نام ہونا ضروری
ہے۔ تاکہ یہ جھگڑا واقع نہ ہو۔ اور اوس کے حالات پوری طرح سے
روشنی میں آجائیں۔
سوامی دیانند رشیوں کے عزیز قریب نہ اوس زمانہ کے۔ ہونگے آد

کروڑوں برسوں کے بعد رشیوں کی نسبت جو خلاف ہندوؤں کے تحقیق ظاہر کرتے ہیں اونکے تسلیم کرنے کے لئے کونسی دلیل ہمکو مجبور کرتی ہے۔
اس سے زیادہ بڑا اختلاف یہ ہے۔ کہ ہندوؤں کی نسبت آریہ سماجی ویدونکو کم بتلاتے ہیں۔ اور ہندو اون سے زیادہ۔ نہ ویدوں میں رشیوں کا نام ہے نہ وید کلام محدود ہے۔ جسکی ابتداء انتہا معلوم ہو۔ ایسی کتاب نہ خدائی کتاب ہوسکتی ہے نہ قابل عمل۔

یہ جھگڑا صرف اسی وجہ سے پیدا ہوا کہ رشیوں کا نام الہامی کتاب میں مندرج نہیں۔ اس معقول بات کا مناظر اسلام یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ ہندو وید کے حامی وید کے پیرو آریوں سے پہلے اور تعداد میں زائد ہیں۔ اونکی شہادت گھر کی شہادت ہے۔ اس بارہ میں ایک ہندو کی شہادت غیر مذہب کے لاکھوں کی شہادت سے فیصل کنندہ کی نظر میں وقعت رکھتی ہے۔ اسکا جواب بھی مناظر آریہ سماج کچھ نہیں دیتے۔ برہماجی کے متعلق یہ فرماتے ہیں۔ کہ سناتنی اونہیں چار منہ والا مانتے ہیں۔ ہم چار رشی علیحدہ مانتے ہیں۔ اور پھر یہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہے کہ جیسے اسم جنس کے اطلاق کئی فردوں پر بھی آتا ہے۔ مناظر آریہ سماج متکلم کے خلاف اوس کے معنی اوس کے منہ پر بیان کرتا ہے۔ اون کو یہ خیال نہیں کہ آیا برہماجی کسی خاص شخص کا نام ہے۔ یا مثل گھوڑے۔ بیل۔ انسان کے اسم جنس ہے۔ وہ ایک شخص کے چار منہ مانتے ہیں۔ یا چار شخصوں کے چار۔ اور پھر اسکو ایک کہتے ہیں۔ ابتو مناظر سماج توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید پر اعتراض نہ کرینگے۔ لہذا مناظر سماج اس جواب کے دینے سے بھی بالکل قاصر رہے۔

پھر ویدونکی زیادتی کمی کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ یہ اصطلاح کا ہیر پھیر ہے۔ یہاں بھی اس ضروری بات کو نہ بتلایا کہ وہ کونسی اصطلاح ہے۔ کہ جسکی وجہ سے اس مذہبی کتاب میں آدھے اور دوگنے کا فرق ہوگیا۔ اس جواب

سے جواب نہ دینا بہتر ہے۔

اس کے بعد مناظر سماج یہ فرماتے ہیں۔ کہ ستیارتھ پرکاش میں رشیوں کے ایسے ایسے اوصاف لکھے ہیں۔ کہ وہ ایسے ہوں۔ اون کے اندر نقص نہوں جو اہم کو اوسکی حیثیت سے گرادیں۔ حج کے وقت بجائے پرماتما کے خیال کے اپنی تمام عورتوں سے سمبھوگ کرے۔ ایسے نقصانوں سے رشی قطعی مبرا تھے برہمچاری تھے۔ صادق تھے۔ اپنی عمر میں کا پرچار کیا۔

اسکا جواب مناظر اسلام نے یہ دیا ہے۔ کہ ہمارے نبی کی معاشرت پر اشارہ کیا کہ حج میں عورتوں سے جماع کیا۔ یہ غلط ہے بہتان ہے۔ کسی عورت کا حق چھین لینا یہ بھی غلط ہے۔

وہ دن حضرت حفصہ کا نہ تھا۔ تو ماریہ قبطیہ سے صحبت کرنا کسی دوسرے کا حق چھین لینا نہوا۔ اسکے جواب میں مناظر سماج نے حضرت عائشہ کی روایت پیش کی۔ اور دوسری روایت حج کے متعلق پیش کی۔

اس کے متعلق مناظر اسلام نے بیان فرمادیا۔ کہ مباشرت کے معنی جماع کرنیکے نہیں ہیں۔ بلکہ بدن سے بدن ملانے کے ہیں۔ جسکو صاحب مجمع البحار بیان فرماتے ہیں۔ المباشرت المعاشرت والملامسۃ یعنی مباشرت ایکدوسرے کے پاس رہنا اور اسکو چھونا ہے۔ اسی حدیث کی تحقیق میں یباشرنی کا ترجمہ عینی کا فرماتے ہیں۔ یعنی مجھکو ہاتھ لگاتے تھے اس کے علاوہ حدیث میں بھی لفظ موجود ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ تمکو ایسی حالت میں ہاتھ لگانا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ تمکو اپنے نفسوں پر ایسی قدرت نہیں ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کو تھی اور حج کی نسبت۔ تو اوسی کتاب میں جسکو سماج کے مناظر نے پیش کیا ہے۔ صاف صاف لکھا ہے کہ یہ حج سے پہلے کا قصہ ہے اور قبل احرام کا جس سے پہلے حج شروع نہیں ہوتا۔

اب مناظر سماج کا یہ بیان کہ حالت حیض میں اور حالت حج میں جماع کیا

بالکل اور صریح جھوٹ اور بہتان اور افترا ہی - قرآن میں حائضہ سے صحبت نہ کرنے کا صاف حکم موجود ہے - کہ ملک ہے حالت حیض میں علیحدہ رہو - اس کے بعد مناظر اسلام کہتا ہے کہ مذہب حق کی کتاب میں غیر خدا کی پوجا کرنا جائز ہو سکتا ہے - اس کے لئے دو ایک منتر سناتا ہوں - جس سے ثابت ہوتا ہے - کہ اگنی کی پرستش کیجائے - میں اپنی اس اطاعت اور عاجزی سے تمہارے لئے اگنی کو بلاتا ہوں - اے اگنی میں تیرا سچا بندہ بہت سی نذروں کیساتھ پوجا کرتا ہوں - اگنی اور اندر کی پوجا سے سام وید کے باب کے باب بھرے ہوئے ہیں -

اسکا جواب مناظر سماج یہ دیتا ہے - کہ اس منتر میں اگنی کی پیدائش کا ذکر ہی کہ وہ لکڑیوں سے پیدا ہوتی ہے نہ اوسکی پوجا کا -

اس کے جواب میں مناظر اسلام یہ فرماتے ہیں - کہ اگنی کی پیدائش ہی کا ذکر نہیں بلکہ اگنی کی عبادت کا بھی ذکر ہے - اے اگنی تو ہون کے کام میں بڑا بہتر ہنر دکھاتا ہے - بس اے اگنی تو دیوتاؤں کو اوس پرہیزگار مرد کے پاس لا جو خوشی خوشی تیری عبادت کرتا ہے -

اول تو پہلے منتر میں بھی یہ لفظ موجود ہے کہ اگنی میں تیرا بندہ بہت سی نذروں کے ساتھ تیری پوجا سرائی کرتا ہوں - جسکا صاف مطلب اگنی کی عبادت کرنا ہی اور اسکی بڑی دلیل یہ ہے کہ ہمیں نئے نہیں بلکہ سناتن دہرمیوں نے بھی لاکھوں کروڑوں برس سے ایسے منتروں کے یہی معنی سمجھے ہیں - کہ اگنی کی عبادت کیجائے تو اب یہی معنی صحیح ہونگے - نہ کہ آریہ سماج کے تصنیف کردہ -

اور دوسرے منتر میں تو صاف یہ موجود ہے - جو خوشی سے تیری عبادت کرتا ہے - اس منتر کو سننے کے بعد سناتن دہرمیوں کیطرح مناظر سماج نے بھی تسلیم فرمایا کہ بیشک اس منتر کا یہی مطلب ہے اور وید ضرور غیر خدا کی عبادت کرنیکا حکم دیتا ہے - اور جس کتاب میں غیر خدا کی عبادت کا حکم ہو - وہ خدائی کتاب اور وہ مذہب خدا کا مذہب نہیں ہو سکتا - مناظر سماج نے اس کے بعد ایک تبہ

تقریر کی ہے۔ جیسے اوّل نمبر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اگنی کی پیدائش کا حال ہے نہ عبادت کا اس دفعہ انکو ایسی تاویل کی بھی گنجائش نہ ملی۔

لہٰذا ہم بحیثیت پنچ ہونے کے فتح اسلام کی اقراری ڈگری دیتے ہیں کہ وکیل سماج نے مان لیا۔ کہ وید میں غیر خدا کی عبادت کا حکم ہے۔ اور جس کتاب میں غیر خدا کی عبادت کا حکم ہے۔ ہرگز خدا کی کتاب نہیں ہو سکتی۔ فتح اسلام کا جو فیصلہ دیا ہے۔ وہ بالکل واقعات پر مبنی اور سچا ہے۔

بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ۔ بندہ محمد انور شاہ

محمد ابراہیم دہلوی۔ محمد عبد الرحمان خاں

محمد مبارک حسین

فیصلہ پنچان آریہ سماج

پنڈت نارائن دت جی وید — ڈاکٹر سنگت رام جی
پنڈت بدری پرشاد جی وید — پنڈت جوالا دت جی۔
حکیم شب سنگھ جی

مولوی صاحب نے جو تعریف مذہب حق کی کی ہے۔ وہ مختصراً یہ ہے وہ انسان کی جملہ ضروریات جو قدرتی ہیں اُنمیں انسان کا ہادی اور رہنما اور پورے طور پر اُس کی رہنمائی کرے۔

دوسری تعریف مولوی صاحب نے یہ کی ہے کہ مذہب حق وہ ہے کہ جسکی کتاب الہام کا دعوے کرکے خداکیطرف سے ملہم بنا دے۔ اسکا نام بتادے ملہم خدا کے بتانے سے دنیا کو وہ احکام جو خدا کی طرف سے اُسکو بتائے گئے ہیں۔ اُن ضرورتوں کے واسطے جاری کرے اور بندوں کو سکھادے۔

اُن ہر دو تعریفات کے متعلق پنڈت شانتی سروپ کے اعتراضات حسب ذیل ہیں :-

(۱) اول یہ کہ تعریف مذہب جامع نہیں ہے۔ کیونکہ اُس سے جملہ ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ مثلاً روح اور[1] قیامت کا علم۔ قرآن شریف میں نہیں ملتا اسکے علاوہ اور بھی اہم مسائل ہیں جو انسان کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ جنکے اظہار

[1] معترض نے تو دفع الوقتی کے لئے اصل مطلب نہ سمجھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ آریہ پنچوں نے بھی غور نہیں کیا۔ ضروریات سے مراد وہ حاجتیں ہیں جو ہر انسان کو خواہ وہ روح بلکہ خدا کا بھی منکر ہو پیش آتی ہیں مثلاً ماں باپ کے اولاد کا۔ بیوی خاوند کا تعلق۔ پیدائش و موت کے واقعات وغیرہ کیا روح اور قیامت کا معلوم کرنا بھی ان ضروریات میں داخل ہے؟ ہے تو پھر دہریوں کو کیوں نہیں؟ اصل یہ ہے کہ آریہ مناظر دفع الوقتی اور جواب میں تمیز نہیں کیا کرتے (مرتب)

میں قرآن شریف قاصر ہے۔

علاوہ ازیں قرآن شریف میں غیر ضروری امور درج ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا گمراہ کرتا ہے گمراہ کو۔ یعنی کسی انسان کو گمراہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے تاہم خدا اُسکو اور زیادہ گمراہ کرتا ہے۔ یہ ایک غیر ضروری امر ہے۔ انسانی ضرورت سے خارج ہے۔ لہذا یہ تعریف ۵۲ مانع نہیں ہے۔ تعریف مذہب کا دوسرا پہلو جو مولویصاحب نے ظاہر کیا ہے۔ وہ بھی مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمام اوصاف انسانی تصنیف میں پائی جاتی ہیں۔ ہر ایک مصنف مدعی ہو کر اپنی تصنیف شدہ کتاب کو بموجب تعریف مولوی صاحب کے کلام الٰہی ٹھیرا سکتا ہے۔ مولوی صاحب نے جو اقسام ظاہر فرمائے ہیں جنکی تعریف مذہب کے سلسلے میں قطعاً ضروری نہ تھی۔ اُن اقسام سے بھی تائید اس امر کی ہوتی ہے کہ دیگر ضروری اقسام نذارد ہیں اور اس طرح پر خود مولوی صاحب کے دیئے ہوئے اقسام سے

۵۲ معترض نے جامع مانع لفظ تو سُنے ہوئے ہیں لیکن اُنکے معنی شائد نہیں سمجھے ہوئے کسی تعریف کا مانع نہ ہونا یہ ہے کہ غیر معرف اُس میں آ جائے۔ مثلاً گائے کی تعریف یہ کریں کہ وہ ایک چوپایہ ہے جو دونوں وقت دودھ دیتا ہے۔ تو یہ تعریف گائے کے علاوہ بھیڑ بکری اور بھینس وغیرہ پر بھی صادق آئیگی۔ بالفرض اگر قرآن مجید نے ایک مضمون ایسا بیان کر دیا جو انسانی ضروریات سے زیادہ ہے تو اس سے کونسا غیر معرف اس تعریف میں داخل ہو گیا۔ کیا وید پر یہ تعریف صادق آگئی۔ کیا وید کی نسبت آپکا یہ خیال ہے کہ وہ غیر ضروری مضامین بیان کرتا ہے۔ اس لئے تعریف مانع نہیں معلوم ہوتا ہے کہ صاحب شانتی سروپ (سابق محمد علی) نے ایام طالب علمی میں مدارس عربیہ میں کہیں سنا ہوگا کہ تعریف کا جامع مانع نہونا عیب ہے مگر اُس کے معنے نہیں جانتے ہونگے
اس لئے بے سمجھی سے ایسا
کہدیا اور بچوں نے بھی
اُسکو باور کر لیا۔

(مرتب)

اُنکا مذہب حق نامکمل ٹھیرتا ہے۔

وید کے متعلق جو مولوی صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ فعل مولوی صاحب کا اُنکے دعوے شرائط کے خلاف تھا اس لئے اُس کے متعلق کسی فیصلہ کیضرورت نہیں ہے۔ ؎٥٢

پرچہ نمبر ٢

اہل اسلام کی جانب سے ہاتھ کی مثال جو دیگئی ہے۔ وہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتی کیونکہ انسانکی دل سے خواہ وہ کافر ہو یا مسلم قوت اعتقادی زائل نہیں ہوتی۔ اس لئے ہاتھ کے خشک ہوجانے اور اُس کی حرکت کرنے کی قوت زائل ہوجانے کی مثال غلط ہے۔ نیز ہاتھ کے خشک کرنے اور اُس کی قوت زائل کرنے میں انسان خود فاعل ہے۔ مگر البتہ (وَمَن يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ) ارتھ۔ اور جسکو گمراہ کرتا ہے اللہ۔ پس اُسکو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔

بقول اس (ارتھ) کے فعل گمراہی کا فاعل خدا خود ہے نہ کہ ہاتھ خشک کرنیوالے کیطرح گمراہ شدہ انسان فاعل ہے۔

دوسری تمثیل جو مولوی صاحب نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کی دی ہے وہ بھی غیر متعلق ہے کیونکہ کسی ہائی کورٹ نے چور کو چوری کے جرم میں چوری پر قائم رکھنے کی سزا نہیں دی نہ کسی باغی کو بغاوت پر قائم رکھنے کی سزا دی۔ الہامی کتاب کی تعریف بقول مولوی صاحب انسانی تصنیف شدہ کتاب کے موازنہ سے یہ پائی جاتی ہے کہ الہامی کتابیں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اگر اختلاف ہوگا تو وہ کلام الٰہی نہیں ہوسکتی۔ بس دیکھنا یہ ہے کہ قرآن شریف میں بقول مولویصاحب اختلاف ہے یا نہیں۔

بقول پنڈت شانتی سروپ جی اُسمیں اختلافات ہیں مثال کے طور پر جیساکہ انہوں نے آیت حسب ذیل سے ظاہر کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

؎٥٢ زاہد ندانست تاب جمالِ پری رُخاں ٭ کنجے گرفت وترس خدا را بہانہ ساخت (مرتب)

وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ شرک کیا جائے اور بخشتا ہے سوائے اسکے خدا شرک کو نہیں بخشتا مگر فرشتوں کو سجدہ کرنیکا حکم دیتا ہے کہ وہ انسان کا سجدہ کریں اور اس جگہ شرک کو فعل نیک میں شمار کرتا ہے۔ اور شیطان کے شرک نہ کرنیکو فعل بد قرار دیکر مردود قرار دیتا ہے ؎

اس سے نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی۔ ظالم کو غیر ظالم اور غیر ظالم کو ظالم ٹھیرایا گیا ہے یہ اختلاف صریح ہے۔ اور خدا کا صدق و عدل بھی کافور ہے لہٰذا قرآن شریف بوجہ اسکے کہ اسمیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کلام الٰہی نہیں ہے

مولوی صاحب نے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کی نسبت بحوالہ بودھوں کے فرمایا وہ مثال بھی ایسی ہی غلط ہے۔ جیسی کہ خشک ہاتھ کرنیکی کیونکہ اس مثال میں جہاں بھی جہالت کی زیادتی کی۔ بودہ خود فاعل ہیں نہ کہ خدا۔ بقول پنڈت شانتی سروپ جی جیسے کہ خدا گنہگار ہے اوسی طرح رسول بھی بیگناہ نہیں ہے۔ مثال کیواسطے سورۂ تحریم میں مذکور ہے کہ محمد صاحب نے اپنی ایک بیوی کے باری کی شب میں جو اسکا حق تھا ماریہ قبطیہ لونڈی سے ہمبستر ہوئے اوس پر اونکی بیوی ناراض ہوئیں۔ اپنی بیوی کو رضامند کرنے کیلئے اوس لونڈی ماریہ قبطیہ کو خدا کے منشا کے خلاف۔ منشا اپنی بیوی کو مدنظر رکھکر خدا کے حلال کئے ہوئے کو حرام کردیا۔ گویا دو جرم ثابت ہوئے۔ ایک اپنی بیوی کیساتھ بے انصافی کی۔ دوم یہ کہ خدا کے حلال کئے ہوئے کو حرام کیا ؎ اس طرح یہ رسول خدا بھی گناہ سے خالی نہیں اور

؎ شیطان تو اپنا عذر یہ نہیں کرتا کہ میں شرک نہیں کرتا مگر اوس کے مددگار اونکی طرف سے اوس کو جرم سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں

؎ سجدۂ آدم تعظیمی نمسکار تھا اس لئے شرک نہ تھا لہٰذا اختلاف کوئی نہیں (مرتب)

؎ بیوی گھر میں نہ تھی اسلئے اوسکا حق نہ تھا خدا کی بے فرمانی بھی نہیں کیونکہ اس کے متعلق ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں تھا جبتک حکم نہ ہو جرم نہیں ہوتا لہٰذا کوئی گناہ نہیں صرف آریہ مناظر اور پنچوں کا تعصب ہے (مرتب)

چونکہ پنڈت شانتی سروپ جی کی پیش کردہ آیات کے ترجمہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اس لئے اونکا ترجمہ قابل تسلیم اور پذیرائی ہے پس ہماری رائے میں بقول پنڈت شانتی سروپ کے خدا و رسول و کلام الٰہی تینوں کی پوزیشن ٹھیک نہیں ہے۔ اور ماریہ قبطیہ کا قصہ جو مجمع عام میں سنایا گیا وہ نہایت شرمناک اور نبی کی شان کے خلاف ہے۵۔ ماریہ قبطیہ کا بیان ہم نے خود پڑھا اور سُنا وہ صحیح ہے۔ اور اسکا انتخاب اوس کے ساتھ ہے۔

لہذا ہم لوگ فیصلہ دیتے ہیں

کہ ہماری رائے میں مذہب حق کی جو تعریف کی گئی ہے وہ جامع اور مانع نہیں ہے اور قرآن مجید کتاب الہامی نہیں ہے فقط

العبد العبد

العبد ڈاکٹر سنگت رام

پنڈت بدری پرشاد ویدٗ

جوالا دت شرما

العبد شب سنگھ بقلم خود

پنڈت نارائن دت

یہ تحریر مکمل معہ دستخط پنچان ازجانب سماج اہل اسلام کو تبادلہ میں دیگئی

پنڈت نارائن دت بتاریخ ۱۲- مارچ [illegible]

۵ ماریہ قبطیہ کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی تھی اور لونڈی کا مرتبہ مذہب میں مثل بیوی کے ہوتی ہے فرق صرف سینیر جونیر (اول دوم درجہ) کا ہوتا ہے۔ اس لئے اوس سے ملاپ کرنا بیوی کے ملاپ کیطرح ہوتا ہے۔ جو نہ کسی نبی کی شان کے خلاف ہے نہ رشی کی۔ ہاں آریہ پنچوں کے خلاف ہو۔ تو اسکا مضائقہ نہیں۔ سچ ہے ؎

گلستان سعدی ودر چشم دشمناں خار است (مرتب)